Rs.3/- Vol- 24 , Issue, 272 Sunday , July 06 2025 Pages -12

قیمت ۳/روپیہ جلد نمبر(۲۴)شمارہ نمبر(۲۷۲) لکھنؤ، بروز اتوار ۶-جولائی ۲۰۲۵ء،مطابق ۱۰/محرم الحرام -۱۴۴۷ھ صفحات-۱۲

منبر کا بیان انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہئے

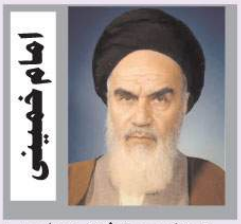

امام خمینی

واقعہ عاشورا کو صرف تاریخ میں نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ہر زمانے میں دیکھنا چاہئے، یزیدی شخصیت کے عناصر کہاں پائے جاتے ہیں پھر اس وقت اس کے مقابلے میں حسینی شخصیت کے عناصر کو میدان میں اتارنا چاہئے۔لہٰذا معرفت اور شناخت نہایت ضروری ہے۔انجمنوں ،مجالس اور عزاداریوں کی ایک ذمہ داری اسی مسالہ کی تبیین وتوضیح ہے۔

البتہ ان کی دوسری ذمہ داری قرآن ، دین اور ان اسلامی معارف کے بیان کی ذمہ داری ہے،جن پر امام حسین قربان ہوئے ۔امام حسین (ع) اور دیگر ائمہ نے اپنے آپ کو فدا کیا تا کہ یہ معارف باقی رہیں۔ان مجالس میں یہ چیزیں بتائی جانی چاہئیں۔

آپ ان مجالس کا ان نشستوں سے موازنہ کیجئے جن میں ایک انسان دو گھنٹے تک بیٹھتا ہے لیکن آخر میں دیکھتا ہے کہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ہماری بعض مجالس بھی ایسی ہی ہیں۔لہٰذا صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مجالس ہو بلکہ اس میں مجلس کی روح بھی ہونا چاہئے اب یہ کیسے حاصل ہوگی؟

(اس طریقہ یہ ہے کہ) سب سے پہلے آپ کے اہل منبر اور آپ کی مجالس کارساز ہوں۔یعنی اس طرح کی مجالس ہوں کہ اگر ایک انسان تین سال تک آپ کی مجالس میں شرکت کرے تو تین سال بعد وہ ایک عام آدمی نہ ہو بلکہ وہ ایک آگاہ، آشنا اور معلومات رکھنے والا انسان ہو۔منبر کو انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہئے۔البتہ یہ بات مجھے منبروں پر بھی کہنی چاہئے اور کہتا بھی ہوں۔لیکن آپ لوگوں سے کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آپ خطیب کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خود نوحہ خوانی اور سینہ زنی وغیرہ میں بھی جدید حسینی مسائل ،معرفت و آگاہی کی فضا ہونا چاہئے۔شاید آپ میں بہت سے لوگوں کو یاد ہو اور ممکن ہے،بہت سے افراد کو یاد نہ ہو کہ انقلاب ایران سے پہلے کا آخری محرم ایسا تھا کہ اس میں جو نوحے وغیرہ پڑھے جاتے تھے اور ان کی جو کیسٹیں نشر ہوتی تھیں وہ ایسے نوحے ہوتے تھے جن میں طاغوتی نظام کی مذمت پائی جاتی تھی ۔مجھے اس زمانے میں شہر بدر کر دیا گیا تھا شیراز اور رفسنجان سے میرے لئے یہ کیسٹیں لائی گئیں اور میں نے سنا۔آپ ان کیسٹوں کو سنیں۔عزاداری اس طرح کی ہونی چاہئے۔ان دنوں مجالس میں برسر اقتدار طاغوتی نظام کی بات ضرور ہوتی تھی۔آج الحمد للہ طاغوتی نظام نہیں ہے۔لیکن بہت سی دوسری باتیں اور موضوعات ہیں جنھیں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ تمام مسائل جن کی طرف آج اسلامی جمہوریہ توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے دین کے بنیادی مسائل ہیں اور سب کے سب حسینی بھی ہیں مثلاً عدالت، برائیوں سے مقابلہ، عالمی استکبار سے جنگ، بے انصافی سے مقابلہ صالح افراد انتخاب اور ان کو محور بنانے کا مسألہ وغیرہ یہ سب مسائل ہمارے ماتمی دستوں میں آنا چاہئے۔سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب نوحہ، مصائب، گریہ اور نالہ وشیون سے سازگاری رکھتے ہیں؟ جی ہاں! اس لئے کہ یہ تمام چیزیں واقعہ کربلا کے عناصر ہیں۔یہ ایک عجیب اور چند عناصر کی ترکیب ہے۔

Death with Dignity is better than a life of humiliation
Imam Husain a.s.
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

Imam Husain's Campaign is characterized by three elements
LOGIC AND WISDOM, VALOR AND HONOR, AND A NOBLE SENTIMENT.
Ayatullah Khamenei
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

मैंने कर्बला की दर्दअंगेज़ घटना का अध्ययन किया है और इससे यह विश्वास हो गया कि अगर भारत को आज़ादी मिल सकती है तो हमें हुसैनी सिद्धांतो पर चलना होगा।
महात्मा गाँधी
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

यह इमाम हुसैन के बलिदान का ही परिणाम है कि आज इस्लाम बाक़ी है। अन्यथा इस दुनिया में इस्लाम का नाम लेने वाला कोई नहीं होता।
स्वामी शंकराचार्य
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

कर्बला की जंग हमेशा याद की जाती रहेगी, यज़ीद जीतकर भी हारा और क़त्ल होकर भी करोड़ों दिलों पर आज भी हुसैन की हुकूमत है।
मुंशी प्रेमचन्द
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

मजलिसें करना मक़सद नहीं बल्कि मजलिसों का एक मक़सद होना चाहिये।
अज़ादारी एक मीडिया है और सबसे ज़्यादा असरदार मीडिया है।
वक़ार रिज़वी
अवधनामा اودھنامہ avadhnama Urdu & Hindi Daily www.avadhnama.com

غم حسین علیہ السلام

اصل میں غم مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے

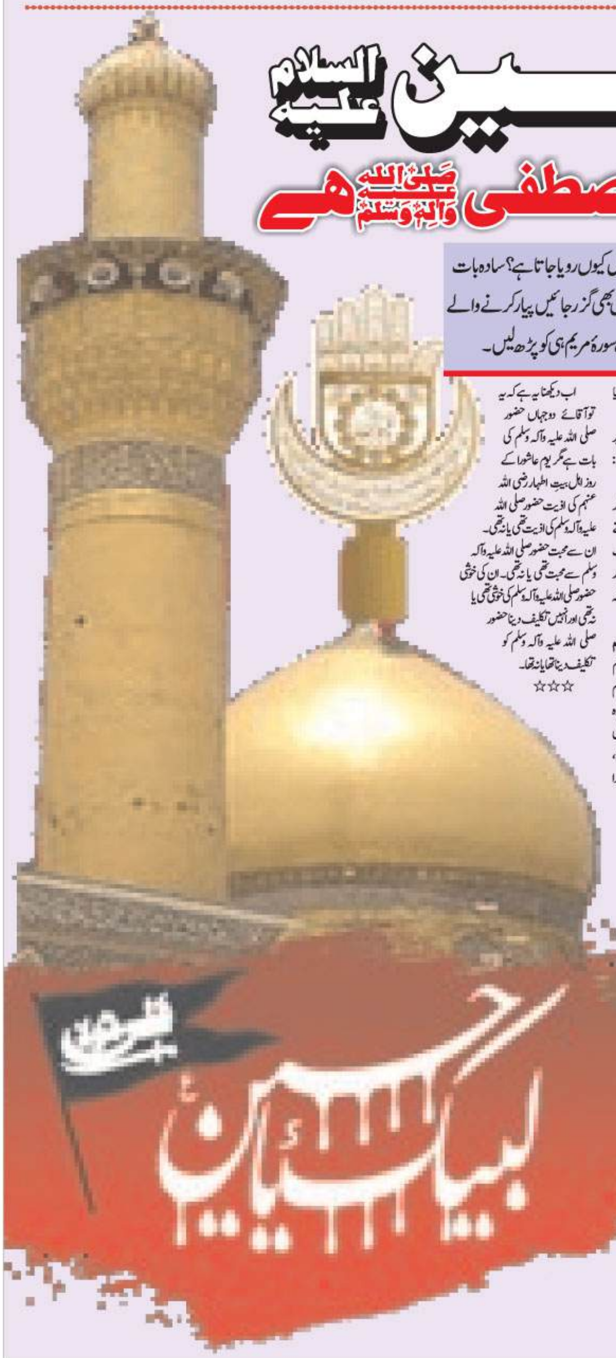

واقعہ کربلا کو ۱۴سو سال گزر جانے کے بعد بھی غم حسین رضی اللہ عنہ میں کیوں رویا جاتا ہے؟ سادہ بات ہے کہ جس سے پیار ہو اس کو کوئی تھوڑی سی تکلیف درپیش ہو اور صدیاں بھی گزر جائیں پیار کرنے والے اس کا ذکر غم سے کرتے ہیں اگر یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو صرف سورۂ مریم ہی کو پڑھ لیں۔

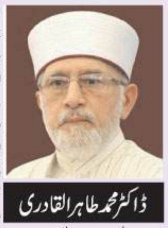

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(ڈاکٹر طاہر القادری کی یزیدیت شکن تقریر جس کے کچھ حصے مضمون کی شکل میں شائع کی جارہی ہے۔)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنی اذیت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور فرمایا جو مجھے اذیت دیتا ہے وہ دراصل میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اذیت دینے کی سزا ان پر دنیا وآخرت میں لعنت مقرر کی ہے۔

مسلمانوں کی اذیت کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ انہوں نے کھلا ارتکاب کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا محض گناہ کبیرہ نہیں کہا بلکہ اس کی سزا کفر، ارتداد، ذلت آمیز عذاب اور دنیا وآخرت کی لعنت مقرر کی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے

اور تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ابد تک ان کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

فرمان الٰہی سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے وصال سے قبل تھے۔ان کی رحمتیں، اذیتیں، تعظیم وتکریم اور ادب واحترام ابدی ہے۔اس لئے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلشن کا کوئی ایک پھول بھی توڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوارا نہیں بلکہ اذیت ہوگی۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کے درخت کاٹیں تو انہیں اذیت ہوتی ہے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا گلا کٹنے پر کیا رسول کو اذیت نہیں ہوگی۔سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کو رلایا جائے تو کیا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہیں ہوگی۔ان کو اذیت دینا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور ان سے محبت کرنا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا ہے۔ان کا ذکر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ان کا غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم ہے۔میں پوری ایمانداری، توکل، تحقیق اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ غم حسین رضی اللہ عنہ غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ سنت خدا ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ امت، کربلا پر سوگوار کیوں ہے؟ ذکر حسین رضی اللہ عنہ پر آنکھیں کیوں نم ہوتی ہیں۔واقعہ کربلا کو ۱۴سو سال گزر جانے کے بعد بھی غم حسین رضی اللہ عنہ میں کیوں رویا جاتا ہے؟ سادہ بات ہے کہ جس سے پیار ہو اس کو کوئی تھوڑی سی تکلیف درپیش ہو اور صدیاں بھی گزر جائیں پیار کرنے والے اس کا ذکر غم سے کرتے ہیں اگر یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو صرف سورۂ مریم ہی کو پڑھ لیں۔اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ○ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم، ۲۲،۲۳)

پس مریم علیہا السلام نے اسے پیٹ میں لے لیا اور آبادی سے (الگ ہو کر) دور ایک مقام پر جا بیٹھیں ○ پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، وہ پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں: اے کاش! میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔

صدیوں پہلے جو واقعہ بیتا اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اس کا ذکر قرآن میں فرمایا۔لوگ مثال دے کر کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ہم اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کے دردِ زہ کا ذکر قرآن میں کیوں کیا؟ شدت تکلیف سے جناب مریم علیہا السلام کی زبان سے جو کلمہ نکلا اس کا نقشہ ایک لمحہ میں کیوں کھینچ لیا؟ اگر اس پورے بیان کا مقصد اللہ کے یہاں صرف محبوبوں کا ذکر ہے تو ہم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبوں کے غم کا ذکر کیوں نہ کریں۔اولیا، عرفا، صلحاء کرام علیہم الرحمۃ اور محبت کرنے والے غم حسین رضی اللہ عنہ میں روتے تھے۔

جریر بن عبد اللہ ابتری روایت کرتے ہیں آقا علیہ السلام نے فرمایا: میں تم پر سورہ **الھم التکاثر** کی تلاوت کرتا ہوں۔فمن بکی فلہ الجنۃ جو روئے گا وہ جنت میں جائے گا کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم رو پڑے اور کچھ نہ رو سکے۔جنہیں رونا نہ آیا انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے بڑی کوشش کی کہ ہمیں بھی رونا آجائے لیکن ہم رو نہیں سکے۔آقا علیہ السلام نے فرمایا: میں دوبارہ پڑھتا ہوں جو رو پڑے ان کے لئے جنت ہے اور جس کو کوشش کے باوجود رونا نہ آئے وہ رونے والی شکل ہی بنالے یا رونے والوں میں شامل ہو جائے۔(ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ۲:۱۹۸) سو غم کے ذکر میں رونا سنت ہو گئی۔آقا علیہ السلام کو اپنے قلب وباطن میں رقت، شکستگی پیدا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رقت وبکا کی تعلیم دیتے تھے گویا اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے غم میں رونا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو اذیت دے یہ رب کو گوارا نہیں کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام اس کائنات میں تشریف لائے لیکن کبھی کسی اور نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی بات نہیں فرمائی، جیسے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ میں فرمائی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پر دعوت دی تو انہوں نے واپس جانے میں دیر کر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کہ تمہارا دیر تک بیٹھے رہنا میرے محبوب کو اذیت دیتا ہے۔آپ اندازہ کریں کہ اگر یہ تکلیف بھی رب کو گوارا نہیں تو دس محرم الحرام یوم عاشورہ کی اذیتوں کا عالم کیا ہوگا۔کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کو سمجھا ہی نہیں۔وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے گھر کھانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے رہیں تو رب تعالیٰ فرماتا ہے: باتوں میں دل لگا کر نہ بیٹھا کرو اس سے میرے محبوب کو تکلیف ہوتی ہے پھر بات یہاں ختم نہیں کی بلکہ مزید فرمایا: تم جانتے ہو کہ میرا محبوب بڑا حیادار ہے وہ اپنی زبان سے تمہیں کبھی نہیں کہے گا کہ اب چلے جاؤ۔یہ بات کہنے میں میرے محبوب کو حیا آتی ہے۔اس لئے ہر ہر لحظہ ہر قسم کی اذیتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میں محافظ ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تو آقائے دوجہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہے مگر یوم عاشورا کے روز اہل بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی اذیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت تھی یا نہ تھی۔ ان سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی یا نہ تھی۔ان کی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی تھی یا نہ تھی اور انہیں تکلیف دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا تھا یا نہ تھا۔

☆☆☆

سوز خوانی کی روایت

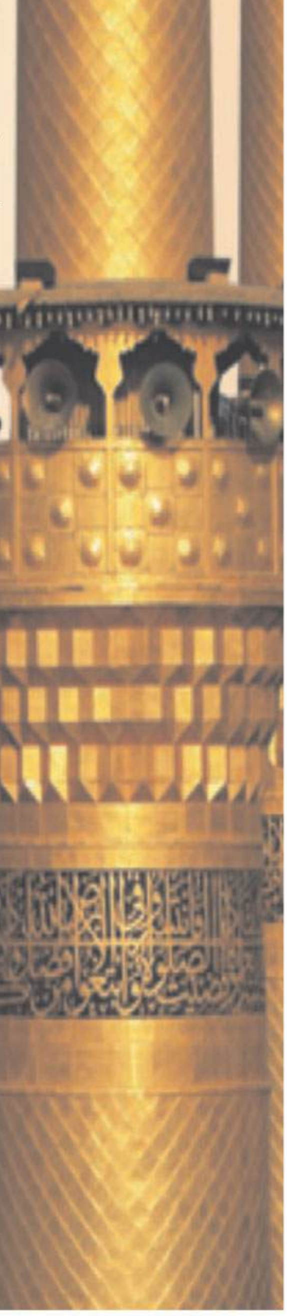

سوز اور سوز خوانی واقعات کربلا اور مرثیے ومجالس کا ایک اہم حصہ ہے آج بغیر سوز خوانی کے مجالس مکمل نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ سوز کی ابتدا کب ہوئی اور کب اس نے رواج پایا اس کے کوئی تاریخی شواہد سامنے نہیں ہیں۔ خود لفظ سوز کا استعمال سب سے پہلے 1609 عیسوی میں قطب مشتری میں ملتا ہے۔ ظاہر کہ سوز کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً تپش، جلن یا جلنا اور انھیں معنوں میں عام طور پر اس کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ حالات سر سید میں 1938 میں یہ جملہ ملتا ہے کہ

"ایک شخص قوم کے سوز میں انگاروں پر لوٹ رہا تھا" اس طرح سوز غم، دکھ، درد کے اظہار کا ایک انداز ہے اسی لئے مرثیہ خوانی کے ایک انداز پر "سوز" کو فروغ ہوا۔ اس کے بارے میں کوئی تاریخی معلومات نہ ہونے کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں مرثیے کے ساتھ مرثیہ خوانی کا ارتقا ہوا وہیں سوز خوانی بھی شروع ہوئی ہوگی۔ اس لئے کہ مرثیے تحت میں بھی پڑھے جاتے تھے اور ترنم سے بھی اسی لئے مرثیے میں مختلف زمانوں میں مختلف ہیئتیں رائج رہی ہیں، کہیں اور کبھی ان کا فروغ غزل کے دو مصرعوں کی شکل میں ہوا کبھی چار مصرعوں مین بند کی شکل مرثیے نے اختیار کی اور کبھی مخمس اور مسدس کی شکل میں مرثیے لکھے گئے۔ یہ الگ الگ ہیئتیں وجود میں آنے کا بنیادی سبب مرثیے کی پیشکش کا انداز بھی ہے، جیسے جیسے اس کی پیشکش میں نئے انداز پیدا ہوتے گئے اس کی ہیئت میں بھی تبدیلی آتی گئی بنیادی طور پر مرثیہ دردناک لہجہ میں واقعہ کربلا کے اظہار کا نام ہے۔ اور سوز اس دردناک لہجے کو پیش کرنے کے لئے سب سے زیادہ پر اثر ذریعہ تھا۔ سوز جیسا میں نے عرض کیا کہ مرثیے کے وجود کے ساتھ ہی وجود میں آیا ہوگا محمد حسین آزاد نے بھی 1880 میں آب حیات میں یہ ذکر کیا ہے کہ

"پہلے مرثیے سوز میں پڑھے جاتے تھے پھر تحت لفظ بھی پڑھنے لگے"۔ یعنی محمد حسین آزاد کے مطابق مرثیے پہلے مخصوص لحن میں پڑھے جاتے تھے اس لحن کا انداز کیا تھا اس کو تو نہیں بتایا جا سکتا محمد حسین آزاد لحن کے لفظ بجائے سوز کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور سوز دردناک لہجے یا غم و اندوہ کے انداز پر اشعار کا پڑھنا ہے۔ اس غم واندوہ کے اظہار کے لئے اکثر سوز خوانی نے راگ راگنیوں کی مدد لی اور ایسے راگوں کا استعمال کیا گیا جس کے تاثر سے دل اداس اور آنکھیں نم ناک ہو جائیں۔ مرثیہ خوانی کا انداز شروع سے ایسا تھا جو عام طور پر عورتوں کے بین کا ہوتا ہے اسے ہم ترنم تو نہیں کہہ سکتے لیکن اس کے ادا کرنے میں ایک خاص طرح کے آہنگ کا استعمال ضرور ہوتا تھا۔ ایک زمانے میں ذاکرین اسی طرح بین کے انداز میں مجالس میں مصائب وشہادت کا بیان کرتے تھے۔ اس لئے مرثیہ کی مقبولیت اور عزاداری کے فروغ کے ساتھ سوز نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی اور سوز خوانی جزو عزائے حسین بن گئی۔ جاگیر دارانہ عہد میں اس کو بہت فروغ ہوا چونکہ اس کا تعلق موسیقی سے بھی تھا اس لئے امرا اور روسا کے گھروں کے مرد یا عورتیں سوز خوانی نہیں کرتی تھیں اس عہد کی طبقاتی تقسیم میں جہاں سماج میں کئی کارآمد اور خدمت گزار طبقات وجود میں آگئے تھے وہیں ایک طبقہ سوز خوانوں کا بھی وجود میں آیا یہ "میراثی" کہلاتے تھے۔ میراثی عام معنوں میں اس کو کہتے ہیں جس کا خاندانی پیشہ گانے کا ہو۔ یہ ہر طرح کی چیزیں گانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور اپنے فن پر اچھی دسترس رکھتے تھے۔ یہ بزرگوں کے مزاروں پر عرس اور خاص موقعوں پر قوالی گاتے تھے اور محرم میں سوز ونوحہ خوانی کرتے تھے۔ ان کے گھروں کی عورتیں لڑکیوں کی شادی، بیاہ کی محفلوں، عرس اور محرم کے موقع پر بڑے، قوالی اور سوز پڑھا کرتی تھیں۔ ہندوستان میں کونسی جگہ ایسی ہوگی جہاں کسی بزرگ کا مزار نہ ہو یہ سارے بزرگان دین محب اہل بیتؑ تھے اور ان کے یہاں عشرۂ محرم کی مجالس بہت اہتمام سے ہوتی تھیں غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ اور یوپی کے مشہور بزرگ حضرت وارث علی شاہؒ کی درگاہوں میں باقاعدہ امام باڑے ہیں اور محرم میں رسوم عزاداری ادا کی جاتی ہیں۔ اس موقع پر نوحے اور سوز بھی پڑھے جاتے ہیں بعض قوال بہت اچھے سوز خوان ہوئے ہیں یو پی میں محمود آباد کے محرم علی جتنے مقبول قوال تھے اتنے ہی اچھے سوز خوان بھی تھے اصل میں راگوں پر جس کو جتنی قدرت تھی اتنا ہی اچھا وہ سوز خوان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں علما اور ذاکرین سوز خوانی کے ختم ہونے پر ہی امام باڑے میں تشریف لاتے تھے اس سے پہلے کبھی نہیں آتے تھے۔

مجھے اپنے بچپن کی بات یاد ہے ردولی کی سوز خوانی بہت مشہور تھی میں نے بچپن میں "پھلئی" سوز خوان کی سوز خوانی سنی ہے وہ کیا پڑھتے تھے اس وقت میری عمر ایسی نہیں تھی کہ میں ان کے الفاظ سمجھ پاتا لیکن ان کے پڑھنے کا تاثر مجھے یاد ہے کہ ہر شخص کی آنکھ سے آنسو رواں ہو جاتے تھے وہاں کئی خاندان سوز خوان کے تھے اچھن، عظیم (اجو) اور تفضل سوز خوان ردولی کے مشہور سوز خوان تھے ان کے کئی اور عزیز اور ساتھی تھے عظیم بہت اچھے سوز خوان تھے 9 محرم کے علم میں وہ ایک ہی مرثیہ "کل ہوگی محمد کے نواسے سے لڑائی یہ آخری شب ہے" پڑھتے ہوئے رات تک گشت علم میں موجود رہتے تھے۔ جن گھروں میں تعزیے 9 محرم کو باہر نہیں رکھے جاتے تھے وہاں صبح کو چونکہ مرد اندر نہیں جا سکتے تھے اس لئے خاتون سوز خوان وجن، شاہدہ، کاظمی اور میمن گھر کے باہری دروازے تک تعزیوں کی مشایعت ادا کرتی تھیں اور اس وقت ہمیشہ "حسین جب کہ چلے بعد دوپہر رن کو" مرثیہ پڑھتی تھیں اور دروازے پر تعزیہ مردوں کے سپرد کر دیتی تھیں۔ یہ سوز خوان

جب ہوئی ظہر تلک ختم سپاہ شبیرؑ
غیر اصغرؑ نہ رہا نور نگاہ شبیرؑ

پڑھتے ہوئے تعزیے کے ساتھ دودھا دھاری (ردولی کربلا) تک جاتے تھے۔ خواتین سوز خوانی کا ذکر آیا تو یہ خواتین بھی اپنے فن کی ماہر ہوتی تھیں اس میں شک نہیں کہ وجن اور ان کی بیٹی شاہدہ کسی مجلس میں سوز خوانی کر دیں تو ایسی رقت ہوتی تھی کہ ان کے بعد مرثیہ خوان کے لئے مرثیے کا انتخاب مشکل ہو جاتا تھا یہی حال شاہدہ کی بیٹی حامدہ اور تفضل کی بیٹی میمن اور کاظمی کا تھا۔ یہ صرف ایک جگہ کی بات نہیں بلکہ ہر علاقے میں الگ الگ مرثیہ خوانی اور سوز خوانی کو فروغ ہوا لکھنؤ کے سوز خوانوں کا انداز جدا تھا یہاں پانچویں اور چھٹے مصرعے کی ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا ہے اس طرح سوز خوانی، مرثیہ خوانی، عزائے امام حسینؑ اور بیان واقعات کربلا کا اہم جز ہے اسی لئے سوز خوانی محرم اور واقعہ کربلا کو پیش کرنے کی ایک بڑی اور پر اثر روایت ہے، جو چار سو سال پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ "آج بھی ہے"، تو بعض اہم تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری

ڈاکٹر شارب ردولوی

ہے حالات کی تبدیلی اور خاتمہ زمینداری نے سماجی اور تمدنی حالات کو بہت متاثر کیا۔ بہت سے پیشے اور چھوٹے طبقے ختم ہو گئے یعنی ایک طبقہ جو قصبات میں "پرجے" کہلاتا تھا وہ رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ میراثی، مالن، دھوبی، تکیہ دار سماجی وتمدنی زندگی سے تقریباً ختم ہو گئے۔ ان کاموں کی شکلیں بدل گئیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان معاشی زندگی کا انحصار روسا اور امرا کے خاندانوں پر تھا جب وہ خاندان خود معاشی بحران کا شکار ہو گئے تو ان کی پرورش کون کرتا اس بحران کا سب سے زیادہ اثر میراثیوں پر پڑا انھوں نے رفتہ رفتہ نئے کاموں کو اپنا لیا اور گانے کے بجائے ایک نئی سماجی زندگی کا حصہ بن گئے۔

سوز خوانی کا تعلق چونکہ محرم اور واقعہ کربلا سے تھا اور سوز خوانی جز ومجالس بن چکی تھی اور اس کی صدیوں پرانی روایت تھی اس لئے عام گھروں کے نوجوانوں نے یا یوں کہئے کہ جس کے گھر یا امام باڑے میں مجلس ہوتی وہاں کے لوگ جس طرح مجلس میں پیش خوانی کرتے ہیں اس طرح انھوں نے سوز خوانی بھی کرنی شروع کی کہ کہیں یہ طریقہ اظہار غم ختم نہ ہو جائے اور اب عام طور پر کوئی بھی شہر ہو وہاں کے نوجوان خود مجلسوں میں سوز خوانی کرتے ہیں۔ اب سوز خوانی ایک پیشہ نہیں بلکہ کار ثواب ہے اور جس طرح ذاکرین مرثیہ خوانی کرتے ہیں اسی طرح خوش گلو بزرگ اور نوجوان سوز خوانی کرتے ہیں اس طرح سوز خوانی ہندوستان کی تہذیبی زندگی کا حصہ اور غم حسین کے اظہار کی ایک قدیم ترین روایت ہے۔

☆☆☆

سلام گوئی کی ہیئت اور موضوعات ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر تمکین حسین
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اردو میں سلام گوئی کی روایت بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی مرثیہ گوئی کی ہے۔ لیکن ابتدا میں سلاموں کی بہ حیثیت صنف کے اپنی کوئی منفرد شناخت نہیں تھی، نہ اس صنف نے اپنا علیحدہ تشخص قائم کرنے کی جانب کوئی سنجیدہ قدم بڑھایا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک شعری صنف کے خود مرثیے نے بھی ابتدا میں اپنی شناخت اور تشخص قائم کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ اس رثائی صنف نے محض حصول ثواب، مجالس عزا میں گریہ وبکا اور کربلا کے واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔

امتداد زمانہ اور مرور ایام کے ساتھ رثائی شاعری میں تنوع پیدا ہوا اور اس قبیل کی اصناف میں سب سے پہلے مرثیے نے بحیثیت صنف کے اپنی شناخت قائم کرنے کی جانب قدم بڑھایا اور اس کوشش میں کامیابی حاصل کی اور رفتہ رفتہ شہرت ومقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گئی۔ مرثیے کی صنف کی ترقی اور مقبولیت کے بعد سلام، نوحے اور سوز وغیرہ جیسی خالص عزائی اصناف نے بھی اپنی علیحدہ شناخت قائم کرنے کی جانب قدم بڑھایا اور اس میں کامیابی حاصل کی۔

ابتدا میں چونکہ تمام رثائی اصناف کا مقصد ومنشا محض حصول ثواب اور کربلا کے شہیدوں کی یاد تازہ کرنا ہوتا تھا اس لیے ان اصناف میں شعری وسائل کے استعمال کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ لہٰذا رثائی اصناف میں طبع آزمائی کرنے والے شعرانے اپنی کوششوں کو اسی حد تک محدود رکھا کہ اپنے رثائی خیالات کو بس شعر کے سانچے میں ڈھال دیں۔

بالکل ابتدائی دور کے فوراً بعد کے شعرانے شعری وسائل کے استعمال کی جانب کسی قدر توجہ کی لیکن یہ محض ایک تجربہ تھا، اور بظاہر اس تجربے میں مرثیے کو ادب کے اعلیٰ فنی معیار پر جانچنے پرکھنے اور اسے کسی وقیع صنف کا درجہ دلانے کی جانب قدم بڑھانے کی کسی ارادی کوشش کا دخل نہیں معلوم ہوتا۔ اردو شاعری کی ابتدا میں کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر رثائی موضوعات پر کچھ شعر کہے گئے جس کے سبب فطری طور پر کئی رثائی اصناف کا وجود عمل میں آیا۔ ان اصناف میں مرثیے کے بعد سلام کی صنف سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور ادبی نقطۂ نظر سے قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

ابتدا میں سلام کی کوئی ایسی واضح تعریف وضع نہیں ہوئی تھی جس کے ذریعے اس صنف کے اشعار کی علیحدہ شناخت کی جا سکے اور اسے مرثیوں سے الگ بطور ایک صنف کے پہچانا جا سکے یا مرثیوں کے اشعار کے درمیان سلام کے اشعار کی از خود شناخت ہو جائے۔

لیکن جب مرثیے نے مسدس کی ہیئت کو باضابطہ طور پر اپنے لیے مخصوص کر لیا تو سلاموں کی شناخت آسان ہو گئی اور علماء نے اپنے اپنے نقطۂ نظر اور صوابدید کے مطابق اس صنف کی تعریف کا تعین کیا۔

سلام کی ان تعریفوں میں پائے جانے والے کچھ نکات بھی علماء، ادبا، محققین اور ماہرین لغت کے یہاں مشترک ہیں۔

جیسا کہ صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں:

"سلام اس نظم کو کہتے ہیں جو مرثیہ، رباعی، قطعہ، غزل یا قصیدے کے طرز پر ہو اور اس کے مطلعے یا اول شعر میں لفظ مجرا، سلام، مجرائی یا سلامی لایا جاوے تو اسے مجرا یا سلام کہتے ہیں۔" [۱]

بطور مثال انہوں نے مختلف سلاموں کے اشعار نقل کیے ہیں، جیسے

سلام اس پہ جو کہتی تھیں دل پہ ہاتھ دھرے
خدا ہی جانے میرے لوگ جیتے ہیں کہ مرے (آزردہ)
کہوں جو مجرائی وقت فنا حسینؑ حسینؑ
صدا مزار سے نکلے سدا حسینؑ حسینؑ (دبیر)
سلامی شہ پہ جو گذرے ستم کوئی تو پوچھے گا
ہوا ہے بے گنہ جو سر قلم کوئی تو پوچھے گا
مجرا اسے جو شام سے لیکر سر شبیرؑ
روئے تن اطہر سے ملا کر سر شبیرؑ [۲]

صاحب مہذب اللغات نے سلام کی صنف کی قدرے واضح اور ترقی یافتہ تعریف بیان کی ہے۔ لیکن انہوں نے سلام کا تذکرہ صرف رثائی اشعار کے طور پر ہی کیا ہے اور مثالیں بھی انہوں نے اسی قبیل کی دی ہیں۔ ہیئت کے تذکرے کے ذیل میں انہوں نے سلام کو غزلوں کا ہم شکل بتایا ہے۔ لیکن ان میں غزل کے مضامین کی شمولیت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ جب کہ بیشتر تذکروں میں سلاموں کے لیے غزل کی ہیئت کے ساتھ ان میں غزل کے مضامین اور غزل کے آہنگ کی شمولیت کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو صاحب مہذب اللغات کی تحریر:

"ردیف وقوافی کی پابندی کے ساتھ غزل کے طرز پر واقعہ کربلا اور فضائل ومصائب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام سے متعلق اشعار۔ اردو، مذکر، فصیح، رائج۔

کون اٹھ گیا جہاں سے کہ پڑھتے ہیں اہل درد
نوحہ کہیں سلام کہیں مرثیہ کہیں (امیرؔ)" [۳]

ترقی یافتہ زمانے اور اس کے بعد کے سلاموں کے موضوعات میں ابتدائی دور کے سلاموں کی بہ نسبت تنوع اور رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ بقول امداد امام اثرؔ، ترقی یافتہ دور اور اس کے بعد کے سلاموں میں واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ بھی باندھے جانے لگے تھے۔

غالباً اسی پہلو کو نظر میں رکھ کر صاحب فرہنگ آصفیہ کی بیان کی ہوئی تعریف کو نقل کرتے ہوئے صاحب مہذب اللغات لکھتے ہیں:

"عہد انیسؔ و دبیرؔ تک سلام کہنے کا یہ طریقہ باقی تھا اس کے بعد بالکل ختم ہو گیا۔ سلام صرف غزل کے طرز پر متفرق اشعار کی صورت میں کہا جاتا ہے، مرثیے، رباعی، قطعے یا قصیدے کی طرز پر نہیں کہتے۔ سلام ہمیشہ مردف ہی کہا جاتا ہے۔" [۴]

صاحب مہذب اللغات نے سلام کی شناخت ظاہر کرنے والے الفاظ مثلاً سلام، سلامی، مجرا، مجرئی، مجرائی وغیرہ کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ طریقہ انیسؔ و دبیرؔ تک باقی تھا۔ یعنی اس کے بعد سلام کی صنف کی شناخت ظاہر کرنے والے یہ الفاظ تقریباً ترک کر دیے گئے تھے۔ جیسا کہ بعد میں کہے گئے سلاموں سے ظاہر ہوتا ہے جن میں بعض دفعہ سلام، سلامی، مجرا، مجرئی اور مجرائی جیسے علامتی الفاظ کی رعایت یا تو برتی ہی نہیں گئی یا بہت کم برتی گئی ہے۔ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے جانے کے سبب سلام کے اشعار کی شناخت مزید مشکل ہو گئی اور سارا دارومدار ان اشعار کے خالق کے منشا پر ہو گیا کہ اس نے اپنے اشعار کو کس نام سے موسوم کیا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 11 پر)

اودھ نامہ
لکھنؤ۔اتوار،۶-جولائی ۲۰۲۵ء

حضرت امام حسینؑ اور انکارِ بیعت

تحریر:
شہید آیت اللہ سید محمد باقر الصدر
ترجمہ وتلخیص:
مولانا سید احمد علی عابدی

(یہ مضمون حضرت آیت اللہ العظمی شہید سید محمد باقر الصدر کی ایک تقریر مورخہ ۲۹/ذی القعدۃ الحرام ۱۳۸۸ ق، کا اقتباس ہے، فکر و خیالات مرحوم شہید صدر کے ہیں الفاظ و بیان صاحب مضمون سے متعلق ہے)

ایک سوال عام طور سے ذہنوں میں ابھرتا رہتا ہے اگرچہ روز اول سے اس کے مختلف جوابات دئے جا چکے ہیں مگر کچھ لوگ ہیں جو مطمئن ہونے کا نام نہیں لیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اپنے برادر بزرگ حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرح خاموشی کیوں اختیار نہیں کی اور وہ قدم اٹھایا جس کی مثال تاریخ عالم وآدم میں نہیں ملتی خاص کر وہ قدم جس کے بارے میں روز اول سے معلوم تھا کہ اس کا انجام اپنے عزیزوں کی شہادت اور خواتین کی اسیری ہے، شہادت مجبوری نہیں تھی بلکہ شہادت نہایت اور بھرپور اختیاری اور دل وجان سے رضایت کا قدم تھا۔

امیر شام کے مرنے اور یزید کے حکمران ہونے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس چار متبادل تھے آپ فیصلہ فرمائیں حضرت امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کس کو اختیار کرتے؟

۱)۔ یزید کے ہاتھوں پر بیعت کرلیں جس طرح بقیہ مسلمانوں نے اور بعض صحابہ نے بیعت کرلی تھی۔

۲)۔ یزید کی بیعت نہ کریں، مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں زندگی بسر کریں یعنی اپنے شہر میں مدینہ رہیں یا مکہ چلے جائیں اور وہاں زندگی کے باقی دن گزاریں۔

۳)۔ بیعت نہ کریں، مکہ مدینہ اور مکہ کے علاوہ کسی اور شہر چلے جائیں، لوگوں سے دور رہ کر وہاں زندگی بسر کریں، بعض لوگوں نے یہی مشورہ دیا تھا مثلا یمن یا کسی اور جگہ چلے جائیں وہاں کام کریں جب آپ کے چاہنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہوجائے لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہوجائیں اس وقت قیام کریں شہروں پر رفتہ رفتہ قبضہ کرتے ہوئے پوری ملت اسلامیہ پر اپنی حکومت قائم کر لیں۔

۴)۔ بیعت نہ کریں، قیام کریں، کوفہ والوں کے خطوط اور بلاوے کا مثبت جواب دیں اور شہادت سے ہمکنار ہوجائیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے یہ چار صورتیں تھیں، اسلام کی بقا کس صورت میں ہوسکتی تھی؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کے وقت امت اسلامیہ کی حالت

یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کے وقت ملت اسلامیہ کی جو حالت تھی وہ یکبارگی وجود میں نہیں آئی تھی، ایک دو دن، ایک دو ماہ یا ایک دو سال کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کجروی کا عروج تھا جو بعد وفات رسولؐ سے شروع ہوئی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کے وقت تمام ملت اسلامیہ کی یہ حالت ایک جیسی نہیں تھی، مختلف گروہ تھے اور مختلف افکار وخیالات تھے۔ ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

پہلا گروہ: دل کسی طرف تلواریں کسی اور طرف

امت کی اکثریت ان لوگوں کی تھی جنھوں نے معاویہ کے زمانے میں زندگی بسر کی تھی، اب ان میں کسی مقابلے اور مقاومت کی طاقت نہیں تھی، لوگوں کو اس بات کا احساس ضرور تھا کہ خلافت حکومت اور سلطنت میں تبدیل ہوچکی ہے، اب ایران اور روم کی طرح بادشاہت ہے، خلیفہ بادشاہ ہے اور امت رعایا اور غلام۔ بادشاہی دور کا اثر یہ تھا کہ اسلامی غیرت اور حمیت ختم ہوچکی تھی، کسی میں مقابلے کی طاقت تو درکنار علی اعلان اعتراض وتنقید کی بھی جرأت باقی نہ تھی زبان وہاتھ خواہشات کے تابع تھے عقل وعقیدہ کے نہیں۔

انہی لوگوں کے بارے میں فرزدق نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا تھا ''دل آپ کے ساتھ ہیں تلواریں آپ کے خلاف ہیں'' یہ لوگ اگرچہ اس بات کے قائل تھے کہ دین امیر شام کے ذریعے برباد ہورہا ہے لیکن عملی طور پر کسی مقابلے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں تھے۔

دوسرا گروہ: اسلام سے زیادہ جان ومال عزیز تھا

اس فکر وخیال کے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی، ان کے نزدیک اسلام کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کی نظر میں ان کی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی، بلکہ انہیں اسلام اس قدر عزیز نہیں تھا کہ اس کی راہ میں قربانیاں دی جاسکیں ان کے نزدیک اسلام سے زیادہ ان کا ذاتی مفاد عزیز تھا۔

پہلے گروہ میں اس دوسرے گروہ میں فرق یہ تھا پہلے گروہ کو یہ احساس تھا کہ اسلام برباد ہورہا ہے خلافت سلطنت میں تبدیل ہورہی ہے مگر ان کے پاس اس کا کوئی حل نہیں تھا، مرض معلوم تھا علاج سے بے خبر تھے جیسے وہ شخص جس کو معلوم ہو کہ سگریٹ جان لیوا ہے مگر اس کو چھوڑ نہیں سکتا ہے، وہ خود میں طاقت وتوانائی محسوس نہیں کرتا دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کو سگریٹ کے نقصانات کا علم نہیں ہے۔

تیسرا گروہ: سادہ لوح:

تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن کا اپنا کوئی نظریہ نہیں تھا ان کی نگاہیں بس صحابہ پر تھیں، اگر کسی مسئلے پر صحابہ خاموش تو یہ بھی

خاموش، چونکہ صحابہ خلافت کو سلطنت میں تبدیل ہوتے دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے تو یہ بھی خاموش تھے، یہ لوگ بہت آسانی سے بنی امیہ کی نیرنگیوں کا شکار تھے، اہل شام کے لیے ان کا وجود ایک خاموش طاقت تھا۔

حضرت رسول خدا ﷺ کے بعد اگرچہ اہل بیت علیہم السلام سے خلافت غصب کرلی گئی تھی اور کجروی کی راہ پر چل رہی تھی مگر ظاہری طور پر اس کا کچھ نام ونشان باقی تھا، مگر امیر شام کے زمانے میں اس کی ظاہری شکل و صورت بھی باقی نہیں رہی، اس زمانے میں لوگوں پر حکومت تھی خلافت نہیں تھی، اور اس قدر تبدیل ہوچکی تھی کہ بعض صحابہ اس کو خلافت کے بجائے قیصر وکسری، روم و ایران کی بادشاہت سے تعبیر کرتے تھے۔

ادھر امیر شام کی پوری کوشش یہ تھی کہ اس تبدیلی کو شرعی رنگ دے۔ وہ مختلف انداز سے صحابہ کو فریب دے کر ان کو خاموش رکھتا تھا اور ان کی خاموشی کو اپنی حکومت کی تائید قرار دیتا تھا۔ ان سادہ لوح افراد کا گروہ اس بات کا قائل تھا کہ چونکہ صحابہ اس تبدیلی پر خاموش ہیں لہذا یہ تبدیلی شرعی ہے اس طرح کے لوگ ہر دور میں ناآگاہ طور پر ظالم کے آلہ کار رہے ہیں۔

چوتھا گروہ: مرکز سے دور افراد:

کچھ لوگ وہ تھے جو مرکز میں زندگی بسر کررہے تھے اور تمام حالات سے واقف تھے، ان کو معلوم تھا کہ امام حسن علیہ السلام نے جنگ کیوں جاری نہیں رکھی، کیوں صلح کرلی، یہ لوگ جانتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام ایک امانت دار رہنما ہیں وہ امت کے سرپرست ہیں وہ ایسا کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتے جس سے امت کو کوئی خاص فائدہ نہ ہو وہ لوگوں کی بے وفائی سے بھی واقف تھے یہ وہ لوگ تھے جو کوفہ اور اس کے نزدیک رہ رہے تھے۔

لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جو مرکز سے دور تھا وہ اندرونی حالات سے پوری طرح باخبر نہیں تھا وہ ان حالات سے باخبر نہیں تھا جس سے حضرت امام حسن علیہ السلام دو چار تھے، جن حالات نے ان کے قلب وجگر کو خون خون کردیا تھا، اس طرح کے لوگ امام علیہ السلام کے اندرونی درد وتکلیف سے واقف نہیں تھے، یہ لوگ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ امام حسن علیہ السلام نے کیوں جنگ جاری نہیں رکھی کیوں صلح کرلی، کیا یہ صلح معاویہ کی شرعی حیثیت تسلیم کرنے کے مترادف ہے یا معاویہ کے افکار ونظریات کو مزید اجاگر ہونے کی مہلت ہے؟ اس طرح کے لوگ چونکہ صحیح حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے ہیں پروپگنڈہ سے جلد متاثر ہوجاتے ہیں اور دشمن کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے چوتھا راستہ ''انکار بیعت'' کیوں اختیار فرمایا؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں امت میں کم از کم نہ صرف اتنے گروہ رہے بلکہ اتنے قسم کے افکار ونظریات تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام پوری امت کے امام تھے، دین مقدس اسلام کے محافظ تھے وہ حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام کے صرف نسلی اور خاندانی وارث نہیں تھے بلکہ ان کے مشن، ان کے دین کے وارث ومحافظ تھے، وہ ایسا قدم اٹھانا چاہتے تھے جس کا اثر پوری امت پر ہو اور صبح قیامت تک اس کا اثر باقی رہے۔

وہ گروہ اور وہ لوگ بھی متاثر ہوں جو درد کو محسوس کر رہے تھے اور لیکن اس کا علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ جن کے دل کسی طرف تھے تلواریں کسی اور طرف، اس گروہ پر بھی اثر پڑے جن کی نگاہوں میں اسلام سے زیادہ ان کی جان و مال عزیز تھی، وہ سادہ لوح افراد بھی بیدار ہوں جنہوں نے اپنی عقل دوسروں کے حوالے کر کردی تھی، جن کی نگاہیں تعلیمات رسولؐ کی بجائے صحابہ کی روش پر تھیں، اور دور دراز رہنے والے بھی پوری طرح باخبر ہوجائیں وہ بھی حقیقت سے پوری طرح آشنا ہوجائیں، کچھ اس طرح قدم اٹھایا جائے کہ وفات رسولؐ سے لے کر شام تک ساری کجروی اور انحراف پوری طرح یوں واضح ہوجائے کہ تمام کوششوں کے باوجود حقیقت پوشیدہ نہ رہ سکے، ہر ایک پر یہ بات واضح ہوجائے کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح ان حکمرانوں اور حکومتوں کی شرعی حیثیت تسلیم کرنے کے مترادف نہیں ہے بلکہ کجروی اور انحرافات کو نمایاں وآشکار ہونے کی مہلت دی، یہ بات واضح ہوجائے کہ سقیفہ میں جو بیج بویا گیا تھا وہ شام میں یزید کی شکل میں نمایاں ہوا۔

جو چار متبادل ابتدا میں ذکر کیے گئے دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے لیے کون سا متبادل فیصلہ کن تھا۔

۱۔ یزید کی بیعت کرلیں اگر یہ کرلیتے تو چاروں گروہ اپنے نظریات میں اور زیادہ مستحکم اور پختہ ہو جاتے خاموشی اس لیے مناسب نہیں تھی کہ یزید کا دور گزشتہ ادوار سے بالکل مختلف تھا یہاں ذہنیت کو تبدیل کرنا تھا کسی ایک شخص کی ضرورت تھی جو نمایاں تبدیلی کا سبب ہو۔

۲۔ دوسرا راستہ بھی مناسب نہیں تھا کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ یا مکہ میں زندگی بسر کریں، یہ بھی ممکن نہیں تھا، اس بات کا قوی امکان تھا کہ امام حسین علیہ السلام ان مقدس شہروں میں رہتے ہوئے کچھ اس طرح قتل کردیے جائیں کہ قاتل کا نام ونشان بھی کسی کو معلوم نہ ہو، حاجیوں کی بھیڑ میں قاتل بھی چھپ جائے اور ان لوگوں کا نام بھی نہ آئے جو در پردہ اس قتل میں شریک تھے بلکہ اصلی محرک تھے۔ امام حسین علیہ السلام کو شہید ہونا تھا مگر اس طرح مخفیانہ طور پر نہیں، ان کی نگاہوں میں وہ شہادت تھی جس کا اثر صبح قیامت تک باقی رہے، شہادت کچھ اس طرح سے پیش کی جائے کہ اپنے تو اپنے قاتل بھی اس مظلوم پر گریہ کریں، تا زندگی خود اپنی نگاہوں میں ذلیل وخوار رہیں، یہ اثرات مدینہ اور مکہ میں رہ کر حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

۳۔ تیسری صورت یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے کسی اور شہر میں چلے جائیں جیسا کہ محمد حنفیہ نے مشورہ دیا تھا کہ یمن چلے جائیں وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے چاہنے والے کافی تعداد میں ہیں۔

یہ راستہ ایک مختصری مدت کے لیے تو کارآمد ہوسکتا تھا لیکن اس سے نہ یزید کی خباثتیں ظاہر ہوتی اور نہ ہی وفات رسولؐ سے اب تک کے انحراف واضح ہوتے بلکہ اب تک کی کجروی اور انحراف کو شرعی حیثیت مل جاتی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پوری امت کو بیدار کرنا چاہتے تھے، ابدی اور عالمی انقلاب لانا چاہتے تھے اس کے لیے کسی شہر یا ملک میں جا کر گوشہ نشین ہوجانا اور امت سے الگ ہوجانا ہرگز مناسب نہیں تھا، ان کے سامنے وہ تمام واقعات تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں اپنوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی تنہا تھے، ان کی تمام کوششوں کے باوجود لوگ ان کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کے لیے تیار نہیں تھے، اور ہر روز ایک بہانہ بنا کر خانہ نشین ہوجاتے تھے اس بنا پر یمن جا کر زندگی بسر کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے صرف ایک راستہ تھا اور وہ تھا علی الاعلان یزید کی بیعت کا ''انکار''۔ اس راستے کا انجام اگرچہ شہادت تھا مگر اس راستے میں تمام مقاصد کی تکمیل تھی۔ اس اقدام نے:

۱) پوری امت کے ضمیر کو بیدار کردیا جھنجھوڑ دیا۔

۲) یہ بھی واضح ہوگیا جان ومال سے زیادہ اسلام عزیز ہے، عزت جان بچانے میں نہیں ہے بلکہ خدا کی راہ میں شہادت میں ہے۔

۳) خلافت کو ہمیشہ کے لیے سلطنت اور بادشاہت سے الگ کردیا، اب کسی بادشاہ کے کردار اور فرمان کو شرعی رنگ نہیں دیا جاسکتا۔

۴) جو لوگ دور دراز رہ رہے تھے ان کے لئے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح ہرگز ہرگز معاویہ کی تائید نہیں تھی، زخم بلکہ ناسور کے پختہ ہونے کی مہلت تھی، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقدام کے لیے زمین ہموار کرنا تھی۔

(یہ سب تو اپنا تجزیہ ہے تحلیل ہے جب خداوند عالم نے سورہ ''تبارک'' کی آیت کے مطابق موت وحیات اس لیے خلق کی کہ پتہ چلے کہ بہترین عمل کون انجام دے سکتا ہے، وہ حضرات جو نظام تکوین وتشریع کے سب سے افضل واکمل تھے وہ ایسا راستہ کیوں اختیار کرتے جس سے بہتر کا کوئی تصور ہو، لہذا ہر وقت کے امام نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے بہتر کا تصور نہیں تھا، بات یہ ہے کہ ہم امام علیہ السلام کے اقدام کو اپنی محدود عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں کل جب میدان قیامت میں تمام حقائق واضح ہوجائیں گے، اس وقت ہر ایک کے لئے، دوست دشمن، موافق، مخالف، مصلحت اندیش کے لئے واضح ہوجائے گا ہمارے ہر امام کا اقدام اس وقت کے لحاظ سے بہترین تھا اور اس سے بہتر کسی اور کا تصور نہیں تھا)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ آخِراً

(ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

نسل حضرت جعفر طیار کی فداکاریاں

مولانا سید غلام السیدین حاشر جوراسی

بقائے دین اسلام کے لئے جناب ابوطالب اور آپ کی اولاد نے جو عظیم قربانیاں دیں ہیں، وہ تاریخ اسلام کے افق پر سنہرے حروف میں پوری آب وتاب کے ساتھ درخشاں ہیں، ان ہی روشن ستاروں میں ایک نام حضرت جعفر طیار کا بھی ہے، مشرکین مکہ کے مظالم جس وقت اپنے شباب پر تھے اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مکہ معظمہ سے ہجرت کر جانے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ ایک وفد جناب جعفر ابن ابی طالب کی سر کردگی میں ملک حبش کی جانب روانہ کیا تھا، جب مشرکین مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی عمرو بن العاص کے ہمراہ ایک وفد حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس روانہ کیا، اور یہ لوگ بطور رشوت کچھ تحائف لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کی بازیابی کا مطالبہ کیا، مگر حضرت جعفر ابن ابیطالب کی جامع تقریر کے مقابلے میں مشرکین مکہ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی، اور اس وفد کو بے نیل ومرام اپنے وطن واپس پلٹنا پڑا۔

جناب جعفر کی رسول اکرم کی ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد وطن واپسی ہوئی تھی، چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس وقت میں فتح خیبر کی خوشی مناؤں یا اپنے بھائی جعفر کی واپسی کی؟

مگر افسوس ہے کہ جناب جعفر ابن ابیطالب کی واپسی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جنگ موتہ میں دو لاکھ کفار کے مقابلے میں تین ہزار افراد پر مشتمل فوج کی قیادت کرتے ہوئے آپ نے انتہائی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا تھا، اور چونکہ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے تھے لہذا بقول جبرئیل امین، اللہ تعالی نے آپ کو جنت میں پرواز کرنے کے لئے دو پر عطا فرمادیے تھے، اسی لئے آپ کا لقب جعفر طیار اور ذوالجناحین بھی ہے۔

جناب جعفر طیار کا عقد بی بی اسماء بنت عمیس کے ساتھ ہوا تھا اور بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ ملک حبش کے دوران قیام، اللہ تعالی نے آپ کو آٹھ بیٹے عطا فرمائے تھے، جن میں سے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ تھے جو ثانی زہرا (ص) زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے، جنھوں نے اپنے دو بیٹوں عون ومحمد کو امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لئے ان کی ماں کے ہمراہ کربلا بھیج دیا تھا۔

اور ایک بیٹے عون ابن جعفر طیار کے ہمراہ شہزادی ام کلثوم بنت علی علیہ السلام کا عقد ہوا تھا، اور بعض مورخین کے مطابق جناب عون ابن جعفر طیار کا نام بھی فہرست شہدائے کربلا میں شامل ہے، آپ کے ایک اور بیٹے محمد الاکبر ابن جعفر طیار نے جنگ صفین میں داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق محمد الاصغر ابن جعفر طیار بھی امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں میدان کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے،

ایک نام عبید اللہ ابن عبداللہ ابن جعفر کا بھی ملتا ہے، جبکہ ان کی ماں کا نام خوصاء تھا، اور ایک شہید قاسم ابن محمد ابن جعفر کا ذکر بھی بعض مقاتل میں موجود ہے، یہ شاہزادی زینب کبریٰ کے داماد تھے، جن کی زوجہ کا نام بھی ام کلثوم بنت عبداللہ تھا، اور یہ حضرت عون ابن عبداللہ کے بعد میدان میں گئے تھے اور اسی پیادوں نیز بارہ سواروں کو واصل جہنم کرنے کے بعد انتہائی زخمی حالت میں شہید ہوئے تھے۔

حالانکہ عام طور پر شہدائے کربلا میں جو اٹھارہ بنی ہاشم کی فہرست پیش کی جاتی ہے، اس میں جناب جعفر طیار کے ان دونوں بیٹوں اور عبید اللہ ابن عبداللہ ابن جعفر، نیز قاسم ابن محمد ابن جعفر کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

لیکن حضرت جعفر طیار کی نسل میں آپ کے دو پوتوں، عون ومحمد پسران عبداللہ ابن جعفر طیار کا نام بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

اسلام کی بقا کے لئے میدان کربلا میں اولاد جناب عبد المطلب میں سے صرف حضرت ابو طالب کی اولاد نے ہی قربانیاں پیش کی ہیں۔

حالانکہ کتب تواریخ میں حضرت عبدالمطلب کے بارہ یا کم از کم نو بیٹوں کا ذکر ملتا ہے۔

چونکہ جناب عبداللہ کی وفات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہی واقع ہوچکی تھی، لہٰذا آپ کی پرورش حضرت عبدالمطلب نے فرمائی، اور دنیا سے جاتے وقت یہ ذمہ داری آپ نے اپنے لائق وفائق فرزند جناب ابوطالب کے سپرد کردی تھی، اور تاریخ گواہ ہے کہ جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی کفالت کے واسطے، دامے درمے قدمے سخنے، اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی، لیکن احسان فراموش امت نے آپ کے ایمان ہی پر سوالیہ نشان لگادیا۔

اور زندگی بھر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرتے رہنے والے ابوسفیان کو ایمان کا تمغہ عطا کردیا۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی فداکاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ سوالیہ جملہ بھی تحریر کیا ہے کہ،، کیا رسول اللہ کے سلسلے میں جناب ابوطالب کی ساری قربانیاں رائگاں چلی جائیں گی؟،، کیا شبلی نعمانی صاحب کو قرآن کریم کی یہ آیت یاد نہیں تھی،، فان اللہ لایضیع اجر المحسنین،، بیشک اللہ تعالی احسان کرنے والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا ہے۔

ظاہر ہے جب عمومی طور پر احسان کرنے والوں کے لئے یہ اعلان خداوندی ہے، تو جو اس کے حبیب کا محسن اعظم ہو اس کے ایمان کے بارے میں شک کرنا، اور اسے وعدۂ الٰہی سے محروم سمجھنا خود اپنے ایمان کی نفی کے مترادف ہوگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں میں حضرت ابوطالب کے بعد جناب حمزہ کا نام سرفہرست ہے، جنھوں نے راہ اسلام میں جہاد کرتے ہوئے جنگ احد میں شہادت حاصل کر کے، اس وقت تک کے شہیدوں میں، سید الشہداء کا خطاب حاصل کیا تھا، مگر واقعۂ کربلا میں آپ کے نسل کی نمائندگی موجود نہیں تھی۔

صرف اولاد جناب ابوطالب میں سے، حضرت جعفر طیار، جناب عقیل اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد ہی نے امام حسین علیہ السلام کی نصرت اور مذہب حقہ کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ نثار وقربان کردیا تھا، میدان کربلا میں، نسل جناب جعفر طیار کی مکمل نمائندگی حضرت عون ومحمد کی شکل میں موجود تھی۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینے سے ہجرت فرمائی ہے تو شریکۃ الحسین، ثانی زہرا (ص) زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنے شوہر عبداللہ ابن جعفر طیار کی اجازت سے سفر غربت اختیار فرمایا تھا، اور جناب عبداللہ نے اپنی عدم شرکت کے سبب، اپنے دونوں بیٹوں عون ومحمد کو اپنے ماموں کی نصرت کے لئے جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ روانہ کیا تھا، اور میدان کربلا پہنچنے کے بعد، بی بی زینب سلام اللہ علیہا مسلسل اپنے بیٹوں کو ماموں پر نثار ہونے کا درس دیتی رہتی تھیں، چنانچہ روز عاشورۂ محرم، جب میدان کارزار گرم ہوا تو حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے، بہ رضا ورغبت، بلکہ شدید اصرار کے ساتھ عون و محمد کو امام حسین علیہ السلام پر قربان ہونے کے لئے دشمنوں کی طرف روانہ فرمایا تھا، اور جب تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود، ان بچوں نے دادھال اور ننہال کی شجاعت کے جوہر دکھائے، تو بزدل یزیدی فوج نے ایک ساتھ حملہ کر کے ان تین روز کے بھوکے پیاسے غازیوں کو انتہائی بے دردی سے شہید کردیا۔ اور روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ جناب زینب نے اپنے بچوں پر آنسو بہانے کے بجائے سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔ حتیٰ کہ زندان شام سے رہائی کے بعد جناب زینب سلام اللہ علیہا کی خواہش پر جب شہیدوں پر رونے کے لئے دمشق میں ایک مکان خالی کروایا گیا اور وہاں شہیدوں کے کٹے ہوئے سر لائے گئے، تو بی بی زینب کبریٰ نے بجائے اپنے بچوں کے سروں کو اٹھانے کے، امام حسین علیہ السلام کا فرق مبارک اٹھانے کو ترجیح دی تھی،

عزم پیہم لے کے، پوتے جعفر طیار کے
کربلا پہنچے، نواسے حیدر کرارؑ کے
اک مثالی شان کے حامل تھے، زینبؑ کے پسر
منفرد، دونوں خلف تھے سید ابرار کے
جد امجد، جنگ موتہ کے مجاہد تھے اگر
دونوں پوتے، کربلا میں تھے دھنی تلوار کے
جانشین مرتضیٰؑ تھے ثانی زہرؑا کے لعل
دوسری جانب، تھے وارث احمد مختارؐ کے
جلوہ فرما، کیوں نہ ہو، صبر وشجاعت ساتھ ساتھ؟
ہیں یہ حامل، حیدری وَ جعفری کردار کے
تھے اگر دادا مقابل، رومیوں کی فوج کے
سامنے پوتے تھے، شامی لشکر جرار کے
حیدری تدبیر جنگی سے لڑے یوں نونہال
کام آئے، کچھ نہ حربے دشمن عیار کے
یاد اپنے جد کی تازہ کر دی ہنگام جہاد
جنگ میں اترے جو پوتے، جعفر طیار کے
وار سے پہلے، دیا اعدا کو پیغام نجات
دونوں بھائی، تھے سکھائے عترت اطہار کے
ڈٹ گئے عون و محمد، اشقیا کے روبرو
تھے وہی تیور جو ان میں، جعفری اطوار کے
ہر طرف، فوج یزیدی میں تھا شور الاماں
جب دکھائے، دونوں بچوں نے ہنر پیکار کے
ہاشمی زور شجاعت کا ہوا ایسا ظہور
شاہد عینی بنے، جن و ملک ہر وار کے
ہو گئے عون و محمد، فدیۂ راہ خدا
تھے جو وارث، جعفر طیار کے ایثار کے
سو گئے، گلفام بیشک، موت کی آغوش میں
ہیں مگر، روشن ستارے، طالع بیدار کے
کیوں نہ ہو عون و محمد کی شہادت ضوفشاں؟
خیر کا سورج تھے، آگے ظلمت اشرار کے
نسل جعفر کی یہ قربانی، رہے گی یادگار
تھے نگہدار و امیں یہ، سلسلۂ اقدار کے
نام بچوں کا بظاہر، اہل عصمت میں نہ ہو
تھے مگر یہ شاہزادے، عصمتی معیار کے
لاج رکھی، مقصد دین الٰہی کی اگر
تھے نمائندے یہ دونوں، مذہبی دربار کے
ہیں یہ بچے، جب کریم ابن کریم ابن کریم
کیوں نہ ہوں حاجت روا، ہر مفلس ونادار کے؟
خاتم اسلام پر، احسان جعفر کے طفیل
ہیں درخشاں دو نگینے گوہر شہوار کے
صورت عون و محمد، مہر و انجم کی نظیر
کربلا میں، دو قمر تھے مطلع انوار کے
تھا جو حاشر! شاہزادوں میں جمال عکس نور
تھے محافظ، یہ اب و جد کے سبھی آثار کے

(ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

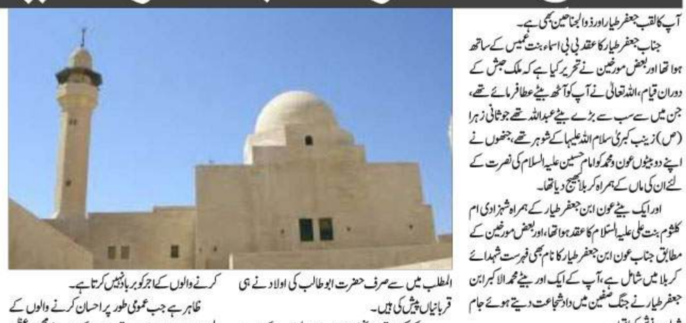

اولادِ جناب عقیل علیہ السلام کی قربانیاں

استاذالاساتذہ مولانا سید محمد غافر باقری جوراسی

جناب عقیل ابن ابی طالب بہت ذہین حاضر جواب نساب عرب تھے اور جناب امیر علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا۔ اے بھائی ایسے خاندان کا پتہ بتایئے جو بہادری اور شرافت میں بے مثال ہو، جس خاندان میں ایسی پاکیزہ سیرت خاتون ہو جس سے میں تزویج کروں اور اس سے انتہائی شجاع بیٹا پیدا ہو جو رزم گاہ کربلا میں میرے عزیز ترین بیٹے حسینؑ کی بھرپور مدد کرے۔ جناب عقیل نے کلابیہ خاندان کی جناب فاطمہ بنت حزام کی نشاندہی فرمائی جن سے شادی کے بعد جناب عباس ع اور ان کے تین بہادر بھائیوں کی ولادت ہوئی اور جناب فاطمہ کلابیہ، ام البنین کے نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علی علیہ السلام۔ ان کے درمیان دس دس سال کی چھٹائی بڑائی تھی۔ (قول ابن قتیبہ) اور دو بیٹیاں تھیں۔ ام ہانی اور جمانہ (قول دیار بکری) طالب لاولاد تھے۔ لیکن جناب عقیل و جعفر و مولا علیؑ کی اولادوں نے حفاظت اسلام میں بے دریغ قربانیاں دیں اور اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیائے بشریت کو روشناس کرایا۔ بنی امیہ سے منسلک راویوں نے جناب عقیل کی شخصیت خراب کرنے کی غرض سے جھوٹی روایتیں گڑھیں۔ لیکن جناب عقیل کی اولاد نے امام حسینؑ کا ساتھ دیکر جھوٹی روایتوں کی پول کھول دی۔

اولاد جناب عقیل میں سب سے پہلے جناب مسلم ابن عقیل (سفیر حسینی) کی شہادت ہوئی جب انکو خس پوش گڈھے میں دھوکے سے گرا کر گرفتار کر کے ابن زیاد ملعون کے سامنے پیش کیا گیا تو ایک خوشامدی پاسبان نے جناب مسلم ابن عقیل سے کہا کہ تم نے امیر کو سلام نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مالنا الامیر الا الحسین علیہ السلام۔ امام حسینؑ کے سوا ہمارا کوئی امیر نہیں۔ جناب مسلم کو دارالامارہ کی چھت پر لے جایا گیا اور ان کے سر کو قلم کرنے کے بعد جسم اطہر کو نیچے پھینک دیا گیا اور جناب ہانی و جناب مسلم کے سروں کو دمشق روانہ کیا گیا اور جسموں کو رسیوں سے باندھ کر کوفہ کی گلیوں اور بازاروں میں کھینچا گیا۔ بعدہ قصابوں کے بازار میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ (روضۃ الشہداء، کشف الغمہ، نفس المہموم وغیرہ)

جناب مسلم کی شہادت کے بعد لوگوں نے ابن زیاد کو جناب مسلم کے دو کمسن فرزندوں کے کوفہ میں موجود ہونے کی خبر دی ابن زیاد ملعون نے ان کو ڈھونڈ کر گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ پسران مسلم قاضی شریح کے گھر میں تھے۔ قاضی شریح ڈرا کہ اگر ابن زیاد کو پتہ چل گیا کہ میں نے ان بچوں کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے تو ہم پر بھی آفت آئے گی لہٰذا اس نے اپنے لڑکے اسد سے کہا کہ بیرون کوفہ ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے جو مدینہ جائے گا۔ رات کی تاریکی میں قریب صبح تم ان بچوں کو قافلے والوں کے سپرد کر آؤ۔ جب اسد بچوں کو لے کر کوفے سے باہر نکلا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ جاتے ہوئے دکھائی دے رہا تھا۔ اسد نے بچوں کو قافلے تک نہیں پہنچایا بلکہ قافلے کے راستے پر چھوڑ آیا اور خود ابن زیاد سے خوف زدہ ہونے کی وجہ سے وہیں سے واپس آگیا۔ بچے تھوڑا راستہ ہی طے کر سکے تھے کہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بچے حیران و پریشان بھٹک رہے تھے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ابن زیاد کے آدمیوں نے ان کو دیکھ لیا اور ابن زیاد تک پہنچا دیا۔ اس ملعون نے بچوں کو قید خانہ میں ڈلوا دیا اور مشکور نامی شخص کو ان کا نگراں معین کیا۔ بچے ایک سال تک قید و بند کی سختیاں جھیلتے رہے۔ ایک رات جب مشکور بچوں کیلئے کھانا اور پانی لایا تو بچوں نے رسولؐ کی اولاد سے اپنی قرابت کو تفصیلاً بتایا تو اس نے قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ بچوں کو آزاد کر دینے کے جرم میں مشکور کو قتل کر دیا گیا۔ دونوں بچے رات بھر کوفے کی گلیوں میں بھٹکتے رہے جب صبح کی روشنی پھیلی تو دونوں ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ وہ درخت ایک کنویں کے پاس تھا۔ ایک عورت جو حارث ملعون کی کنیز تھی کنویں سے پانی بھرنے آئی۔ کنویں کے پانی میں ان بچوں کا عکس نظر آیا۔ پوچھنے پر بچوں نے بتا دیا کہ وہ جناب مسلم کے بیٹے ہیں اس کنیز نے اپنی مالکن حارث کی بیوی کو بتایا وہ محب آل محمدؐ تھی۔ بچوں کو اپنے گھر لے آئی۔ ایک حجرے میں دونوں کے آرام کا انتظام کر دیا۔ رات تک بچے وہیں رہے آدھی رات کو حارث ملعون آیا۔ وہ بنی امیہ کا حامی اور آل رسولؐ کا دشمن تھا۔ حجرے سے اسے آہٹ محسوس ہوئی وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا حجرے میں گیا اس کا ہاتھ زمین پر لیٹے ہوئے بچوں پر پڑا۔ بچوں سے پوچھنے پر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ جناب مسلم کے بچے ہیں تو ان کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا اور ستون سے باندھنے لگا۔ اس کی بیوی نے بچوں کو باندھنے سے روکنا چاہا تو حارث نے اسے قتل کر دیا۔

صبح اٹھکر اپنے غلام فلیج کو دونوں بچوں کے ہاتھ تھمائے اور کہا ان کو دریائے فرات کے کنارے لے جا کر قتل کر دو جسموں کو دریا برد کر دو اور سروں کو لے آؤ تا کہ میں امیر (ابن زیاد) سے دو ہزار درہم حاصل کر سکوں۔ غلام بچوں کو لے کر چلا راستے میں بچوں نے غلام سے کہا کہ تمہاری شکل وصورت زمانہ رسول کے مؤذن جناب بلال سے مل رہی ہے۔ پوچھنے پر جب اس کو حقیقت معلوم ہوئی تو وہ دریا عبور کر کے بھاگ نکلا۔ حارث پکارتا رہ گیا۔ حارث ملعون نے اپنے بیٹے کو یہی حکم دیا وہ بھی دریا پار کر کے بھاگ گیا۔ حارث نے خود بچوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بچوں نے کہا اے شیخ ہم کو ابن زیاد کے پاس لے چل منہ مانگا انعام پائے گا۔ یا ہمیں بازار میں بیچ ڈال اور ہماری کمسنی پر رحم کر۔ اس نے بچوں کی ہر بات ماننے سے انکار کیا۔ بچوں نے کہا ہمیں صبح کی نماز تو پڑھ لینے دے۔ اس پر وہ راضی ہوا۔ بچوں نے فرات کے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی جیسے ہی ان کی نماز تمام ہوئی حارث ملعون نے پہلے بڑے بھائی کو قتل کیا اور لاش دریا میں پھینک دی لاش دریا میں تیرتی رہی پھر اس نے چھوٹے بھائی کا سر قلم کیا اور لاش دریا میں پھینک دی۔ دونوں لاشیں بغل گیر ہوئیں اور ڈوب گئیں۔ حارث نے جب وہ دونوں سر ابن زیاد کے سامنے پیش کئے تو وہ تین بار اٹھا اور بیٹھا۔ پھر بچوں سے اس کی گفتگو کی تفصیل معلوم کی جب اس کو تفصیل معلوم ہوئی تو ابن زیاد نے حارث سے پوچھا کہ پھر کیوں قتل کیا۔ اس نے جواب دیا خوشنودی خدا کیلئے۔ ابن زیاد بولا فیصلہ ہو گیا میں بھی تمہیں خوشنودی خدا کیلئے قتل کروا رہا ہوں۔ سپاہیوں کے ذریعہ حارث کو بندھوا کر اپنے حبشی غلام نادر کے سپرد کیا اور کہا جہاں اس نے بچوں کو قتل کر کے لاشیں دریا میں پھینکی ہیں وہیں لے جا کر اس کو قتل کر دے جسم کو دریا برد کر دے اور سر کو لیتا آ۔ نادر، حارث کو وہیں لے گیا اور قتل کر کے اس کے جسم کو دریا میں پھینک دیا لیکن دریا کی لہروں نے اس کے جسم کو باہر پھینک دیا۔ کئی بار اس کے جسم کو دریا میں پھینکا گیا لیکن ہر بار لہریں باہر پھینک دیتی تھیں۔ بالآخر اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا اور سر کو سرراہ آویزاں کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے مقاتل نامی شخص کے ذریعہ دونوں بچوں کے سروں کو دریا میں اسی جگہ ڈلوا دیا جہاں ان بچوں کے جسم پھینکے گئے تھے۔ سروں کے پانی میں پہنچتے ہی ان بچوں کے جسم ابھرے اور اپنے اسروں سمیت تہ نشین ہو گئے۔

اولاد عقیل کربلا میں: خاندان جناب عقیل کے وہ افراد جو روز عاشور کربلا میں حمایت حق کرتے ہوئے اشقیاء سے جنگ کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے ان میں ایک عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل تھے جو رجز خوانی کرتے ہوئے حملہ آوروں کا جواب دے رہے تھے وہ کہہ رہے تھے۔

اليوم القى مسلما و هو ابى
و فتية بادوا على دين النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آج میں اپنے باپ مسلم سے اور دین نبیؐ پر رہتے ہوئے انتقال کر جانے والے جوانوں سے ملاقات کروں گا۔

ليسوا بقوم عرفوا بالكذب
لكن خيار و كرام النسب
من هاشم السادات اهل النسب

وہ جوان اس قوم سے نہیں جس کی پہچان جھوٹ بولنا ہے۔ (یعنی وہ جھوٹی قوم بنی امیہ ہے اور وہ جوان اس قوم سے نہیں ہے۔) لیکن وہ شہید ہونے والے جوان، نیک ترین اور شریف النسب ہیں۔ من هاشم السادات اهل النسب، پاکیزہ نسب سادات بنی ہاشم میں سے ہیں۔ عبداللہ ابن مسلم نے اٹھانوے دشمنوں کو قتل کیا۔ فوج یزیدی کے سپاہی عمرو ابن صبیح نے عبداللہ کو تیر مارا۔ عبداللہ نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا۔ تیر ہاتھ کو چھیدتا ہوا پیشانی میں درآیا۔ ہاتھ پیشانی سے چپک گیا۔ دوسرا تیر ان کے سینے پر مارا جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ آپ کی والدہ گرامی رقیہ بنت امیرالمومنینؑ ہیں۔

صبح اٹھکر اپنے غلام فیلج کو دونوں بچوں کے ہاتھ تھمائے اور کہا ان کو دریائے فرات کے کنارے لے جاکر قتل کردو جسموں کو دریا برد کردو اور سروں کو لے آؤ تاکہ میں امیر (ابن زیاد) سے دو ہزار درہم حاصل کرسکوں۔ غلام بچوں کو لے کر چلا راستے میں بچوں نے غلام سے کہا کہ تمہاری شکل و صورت زمانہ رسول کے مؤذن جناب بلال سے مل رہی ہے۔ پوچھنے پر جب اس کو حقیقت معلوم ہوئی تو وہ دریا عبور کرکے بھاگ نکلا۔ حارث پکارتا رہ گیا۔ حارث ملعون نے اپنے بیٹے کو یہی حکم دیا وہ بھی دریا پار کرکے بھاگ گیا۔ حارث نے خود بچوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بچوں نے کہا اے شیخ ہم کو ابن زیاد کے پاس لے چل منہ مانگا انعام پائے گا۔ یا ہمیں بازار میں بیچ ڈال اور ہماری کمسنی پر رحم کر۔ اس نے بچوں کی ہر بات ماننے سے انکار کیا۔ بچوں نے کہا ہمیں صبح کی نماز تو پڑھ لینے دے۔ اس پر وہ راضی ہوا۔

ان میں سے ایک عبدالرحمن ابن عقیل تھے۔ مناقب میں ہے کہ آپ جہاد کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

ابى عقيل فاعرفوا مكانى
من هاشم و هاشم اخوانى

میرے باپ عقیل ہیں میری منزلت پہچانو میں بنی ہاشم میں سے ہوں اور ہاشمی میرے بھائی ہیں۔

كهول صدق سادة الاقگف

.. سچائی میں راسخ اور خاندانی سردار ہیں۔ یہ حسین ہیں بنیادی رفعت وبلندی کے مالک ہیں۔

سید الشیب مع الشبان، جوانوں کے ساتھ بزرگوں کے سردار ہیں۔

عبدالرحمن نے سترہ دشمنوں کو جہنم واصل کیا۔ عثمان ابن خالد جہنی نے آپ کو شہید کیا اور آپ کو شہید کرنے میں بشر ابن خوط ہمدانی نے عثمان کا ساتھ دیا۔

انہیں میں سے جعفر ابن عقیل تھے جنکی ماں خوصا بنت عمرو ابن عامر یا ام ثغر بنت عامر تھیں۔ وہ میدان میں یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے۔

انا الغلام الابطحى الطالب = من معشر فى هاشم من غالب

میں ابطحی الطالبی جوان ہوں جو قبیلہ ہاشم میں غالب سے متعلق ہے۔ (ابطحی الطالبی سے مراد مکہ کے خاندان طالب سے ہوں)۔

و نحن حقا سادة الذوائب = هذا حسين اطيب الاطائب

ہم یقیناً سارے قبائل کے سردار ہیں اور حسین ع پاکیزہ ترین لوگوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

آپ نے پندرہ اشقیاء کو جہنم رسید کیا اور آپ کو عبداللہ ابن عروہ خثعمی نے تیر بارانی کرتے ہوئے شہید کیا۔

عبداللہ اکبر ابن عقیل۔ ان کی ماں ام ولد تھیں۔ ان کو عثمان ابن خالد اسید جہنی اور قبیلہ ہمدان کے ایک مرد نے ملکر شہید کیا۔

محمد ابن مسلم ابن عقیل۔ ان کی ماں بھی ام ولد تھیں۔ اور ان کو ابو مرہم ازدی اور لقیط ابن ایاس جہنی نے شہید کیا۔

محمد ابن ابی سعید ابن عقیل۔ ان کی ماں بھی ام ولد تھیں۔ انکو لقیط ابن یاسر جہنی نے تیر مار کر شہید کیا۔ (آہ مغموم ترجمہ نفس المہموم)

نوٹ۔ ابوسعید ابن عقیل وہی ہیں جنہوں نے معاویہ ملعون کے دربار میں ابن زبیر سے گفتگو کر کے اسے شرمندہ کر دیا تھا اور اس کی کیفیت کو ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام حسنؑ ابن علیؑ اس حال میں معاویہ کے سامنے گئے جبکہ اس کے پاس عبداللہ ابن زبیر براجمان تھے اور ابوسعید ابن عقیل ابن ابی طالب بھی وہاں موجود تھے۔ معاویہ نے چاہا کہ قریش والوں کے درمیان فتنہ انگیزی کے ذریعہ اختلاف پھیلائے اس نے ابومحمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ زبیر اور علی میں کون بڑا تھا۔ حضرت امام حسنؑ نے فرمایا میرے والد محترم کا سن زبیر سے کچھ تھوڑا زیادہ تھا۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو۔ عبداللہ ابن زبیر بولا، زبیر پر بھی خدا کی رحمت ہو۔ ابوسعید نے کہا اے عبداللہ تم ہیجان میں کیوں آگئے جب امام حسنؑ نے حضرت علیؑ کو رحمت الٰہی کا مستحق بتایا۔ عبداللہ بولا میرے والد زبیر بھی رحمت الٰہی کے حقدار ہیں۔ ابوسعید نے کہا کیا تمہارے خیال ناقص میں تمہارا باپ حضرت علیؑ جیسے بلند مرتبہ پر فائز تھا۔ عبداللہ بولا دونوں قریشی تھے دونوں نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی لیکن کسی کو کامیابی نہ ملی۔ ابوسعید نے کہا تم ان کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اچھی طرح واقف ہو کہ اللہ اور رسولؐ اللہ کے نزدیک حضرت علیؑ کس مقام و منزلت پر فائز ہیں۔ جب حضرت علیؑ نے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے اس کو قبول کیا اور ان کو اپنا سید و آقا تسلیم کیا۔ لیکن زبیر اور طلحہ نے ملکر رسولؐ کی بیوی کو گھر سے باہر نکالا میدان جنگ میں لائے (جبکہ رسولؐ نے اپنی بیویوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا) اور جب جنگ جمل میں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو زبیر بھاگ لیا قبل اس کے کہ حق آشکار ہو اور باطل رسوا ہو۔ ایک مرد (ابن جرموز) نے زبیر کا پیچھا کیا۔ زبیر کا اسلحہ چھین کرا سے قتل کر دیا۔ اسکا سر اور اسلحہ لیتا آیا۔

جبکہ حضرت علیؑ نے قدم پیچھے نہیں ہٹائے اور اپنے مقابلے میں آئی ہوئی رسول کی بیوی کو عزت و احترام کے ساتھ انہیں کے بھائی (محمد ابن ابی بکر) اور چالیس عورتوں کے ساتھ (ان عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر) ان کے گھر بھجوا دیا۔ ابن زبیر بولا میں جواب دینے سے عاجز نہیں ہوں مگر تم آگ بگولہ ہو جاؤ گے۔ ابوسعید نے کہا جس کی طرف تمہارا اشارہ ہے وہ تو خود تم سے بیزار ہے۔ (ابن زبیر کی مراد تھی کہ معاویہ نے حضرت علیؑ سے بغاوت کر کے شام کی حکومت حاصل کر لی اور حضرت علیؑ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے) امیر شام ڈرا کہ ابوسعید کہیں اس کی فریب کاریوں کا بھانڈہ نہ پھوڑ دیں دونوں کو منع کیا۔

یہ خبر جناب عائشہ کو ملی کہ ابوسعید نے زبیر کی حقیقت واضح کر دی۔ ایک دن ابوسعید، عائشہ کے گھر کے سامنے سے گزرے تو عائشہ نے چیخ کر کہا۔ اے ابوسعید کیا تم نے میرے بھائی (زبیر) کو ایسا ایسا کہا۔ ابوسعید نے پلٹ کر دیکھا کوئی دکھائی نہ دیا۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ۔

زبیر حضرت علیؑ کے پھوپھی زاد بھائی تھے شروع میں حضرت علیؑ کے حامیوں میں سے تھے لیکن رشتے داری کی بنیاد پر بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ کے طلبگار ہوئے لیکن حضرت علیؑ نے سختی کے ساتھ منع فرما دیا اور زبیر سخت مخالفین میں سے ہو گئے۔

جناب عقیل کا مرتبہ و منزلت

حضرت رسولؐ خدا جناب عقیل سے فرماتے تھے کہ میں تم سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہوں دو نسبتوں کی وجہ سے (۱) تم میرے چچا زاد بھائی ہو ایسا چچا جس نے باپ کی طرح میری پرورش کی ہر موقع پر میرے سینہ سپر رہے۔ (۲) میرے چچا تم سے بہت محبت کرتے تھے۔

جناب عقیل انتہائی ذہین حاضر جواب اور نساب عرب تھے۔ معاویہ اور اس کے حامیوں کے نسب سے بھی لوگوں کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا روایتیں گڑھی گئیں کہ عقیل، حضرت علیؑ سے خفا ہو کر معاویہ کے پاس حاجتمند بن کر گئے تھے۔

مال و دولت کی لالچ میں معاویہ کے پاس جناب عقیل کے جانے والی روایتیں گڑھنے کا موقع اس لئے ملا کہ جناب عقیل کو حضرت علیؑ بیت المال سے دو درہم روزانہ دیا کرتے تھے۔ جناب عقیل نے سوچا کہ اپنے بھائی علی کی دعوت کروں اور ان کی دعوت کرنے کے بعد وظیفے میں اضافہ کی درخواست کروں تو وہ ضرور اضافہ کر دیں گے چنانچہ جناب عقیل نے حضرت علیؑ کی دعوت کی اور ان سے درخواست کی کہ جو وظیفہ آپ دے رہے ہیں اس میں بہت تنگی سے زندگی بسر ہو رہی ہے کچھ اس میں اضافہ فرما دیجئے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا تم نے میری دعوت کا انتظام کیسے کیا۔ جناب عقیل نے جواب دیا کئی دن تک ڈیڑھ ڈیڑھ درہم خرچ کئے اور آدھا آدھا درہم بچا کر آپ کی دعوت کا بندوبست کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا بس تم کو ڈیڑھ درہم کافی ہیں دشواری کی شکایت نہ کرو۔ جب عقیل نے بہت اصرار کیا تو حضرت علیؑ نے چراغ پر لوہے کو گرم کیا اور اس کو جناب عقیل کے ہاتھ کی طرف بڑھایا۔ جناب عقیل نے کہا کیا میرا ہاتھ جلا دیجئے گا۔ جناب امیر نے فرمایا تم اس معمولی آگ سے ڈر گئے اور چاہتے ہو کہ میں دوسروں کے حقوق میں سے تم کو دے کر نار عقبیٰ میں گرفتار ہوں۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص سے فرمایا عقیل کو بازار لے جاؤ تا کہ کسی دکان کا قفل توڑ کر مال حاصل کر لیں عقیل نے کہا آپ مجھ کو چور بنانا چاہتے ہیں حضرت علیؑ نے فرمایا اگر میں مسلمانوں کے حقوق میں سے کاٹ کر تم کو دوں تو میرا بھی وہی حال ہوگا۔

بہ روایت ابن قتیبہ جب عقیل حضرت علیؑ سے ناراض ہو کر معاویہ کے پاس گئے تو اس نے عقیل کی بہت آؤ بھگت کی اور تین لاکھ اشرفیاں دیں۔ اگر جناب عقیل معاویہ کے پاس حاجتمند بن کر گئے ہوتے اور تین لاکھ اشرفیاں ملی ہوتیں تو ان کی اولاد کے شکم حرام غذا سے بھرے ہوتے اور وہ یزید کے ساتھ ہوتے یزیدیوں کو للکار نہ رہے ہوتے۔ اور یزید کے لشکر والے ضرور کہتے کہ ہم کو تم للکار رہے ہو اور اپنی برتری کا اعلان کر رہے ہو حالانکہ تم بھی یزید کے باپ کے احسان مند ہو۔ تو ہم پر تمہاری برتری کیسی بلکہ تم لوگ تو احسان فراموش ہو حالانکہ ایسی بات کہنے کی کسی نے بھی ہمت نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ روایت جھوٹی ہے۔ اور ایسی سب روایتیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں بھی جناب عبدالمطلب اور جناب ابوطالب کے ساتھ ان کا سارا خاندان بھی دین ابراہیمی پر تھا اور ان کے دین ابراہیمی پر ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ جب ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تو کفار مکہ خوف زدہ ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے لیکن جناب عبدالمطلب کا سارا خاندان وہیں رہا اور جناب عبدالمطلب اور جناب ابوطالب نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تو اللہ نے ابابیل کا لشکر بھیج کر قوم ابرہہ کو بھوسہ بنا دیا۔ جب قوم صالح کے کافروں نے ناقہ صالح کی کونچیں کاٹ کر اس کو مار ڈالا تو آسمان میں سرخی چھائی اور اللہ نے برق وزلزلے کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا۔ جب جناب زکریا کو آرے کے ذریعہ کاٹ کر شہید کر دیا گیا تو آسمان سرخ ہو گیا۔ جناب زکریا کے بیٹے جناب یحییٰ کو بادشاہ نے جب شہید کرایا تو آسمان میں سرخی بھی چھائی اور جس جگہ ان کو شہید کیا گیا تھا وہاں سے خون بھی ابلا اور ظالم بادشاہ کی لاکھ تدبیروں کے باوجود خون کا ابلنا بند نہیں ہوتا تھا۔

جب کربلا میں حضرت امام حسینؑ کو مع اصحاب و اعزہ شہید کیا گیا تو طویل مدت تک آسمان سرخ رہا اور اس سرخی سے زمین پر مکانات کی دیواریں بھی خون میں نہائی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور زمیں سے جو پتھر بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون ظاہر ہوتا تھا۔ اسیران کربلا اور سرہائے مبارک کو کوفے سے دمشق لے جاتے ہوئے جس پتھر پر سر امام حسینؑ کو رکھا تھا وہ پتھر آج بھی روز عاشور سرخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ درخت جس میں سر مبارک کو لٹکایا گیا تھا جب تک وہ درخت باقی رہا روز عاشور سرخ ہو جاتا تھا۔ جس کی تصویر رسالہ اصلاح میں چھپ چکی ہے۔ صدام ملعون جب عراق میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کیے ہوئے تھا اس زمانے میں غروب آفتاب کے بعد بھی دیر رات تک مغرب کی طرف آسمان میں سرخی باقی رہتی تھی۔ اسی طرح امریکہ کے کہنے پر جب صدام نے ایران پر حملہ کیا تھا اور آٹھ سال وہ جنگ چلی تھی بڑے بڑے علماء شہید ہوئے تھے اس زمانے میں بھی مغرب کی طرف غروب آفتاب کے بعد بھی دیر رات تک سرخی قائم رہتی تھی۔

(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

□□□

سلام

(فاطمہؑ کا چاند)

محکمؔ عابدی علی پوری (انڈیا)

آیا نظر اُفق پہ جو ماہِ عزا کا چاند
اُس چاند میں دِکھائی دِیا فاطمہؑ کا چاند
یہ دن ہیں غم کے، اور یہ راتیں عزا کی ہیں
یہ اہلِ دل کے حق میں ہے، آہ و بُکا کا چاند
کہنے لگا یہ چاند بھی، اکبرؑ کو دیکھ کر
کتنا حَسین ہے شہِؑ کرب و بلا کا چاند
تُو ہی بتا سکینہؑ! کہ تیرے چچا کو ہم
ہاشم کا چاند لکھیں یا بُرجِ وفا کا چاند؟
ماہِ عزا کے چاند کو دیکھا، تو یُوں ہُوا
آنکھوں میں آگیا مری، اشکِ عزا کا چاند
گریہ کناں ہے غم میں کسی بے کفن کے وہ
ہے سوگوار اب بھی کسی بے ردا کا، چاند
پُوری نہ ہوگی چشمِ تمنّا کی آرزو
بالوں کے ہے حجاب میں شرم و حیا کا چاند
اے چاند دیکھ! اپنے ستاروں کے ساتھ ساتھ
نیزوں کے آسمان پہ ہے کربلا کا چاند
یہ کربلا ہے نور کا محور زمین پر
اِس میں چھپا ہے خامسِ آلِ عبا کا چاند
محکمؔ! عزائے سبطِ پیمبرؐ کے چرخ پر
چمکے گا حشر تک مری فکرِ رسا کا چاند

☆☆☆

ذبح یا ذبیح

جو لوگ بہشت کے ایک دنبہ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ قرار دے کر اس جانور کے ذبح کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے مقابلے میں عظیم کہتے ہیں، ان کو نہ صرف حضرت ابراھیم علیہ السلام کی معرفت ھے، نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اور نہ وہ نبوت کی عظمت و جلالت سے باخبر ھے۔

مولانا سید رضی جعفر نقوی

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت میں ذبیح کو عظیم نہیں کہا گیا ہے بلکہ "ذبح" کو عظیم کہا گیا ہے۔ "ذبح" ایک عمل ہے اور "ذبیح" وہ شے یا وہ شخص جسے ذبح کیا جائے۔ اسی مناسبت سے ذبح شدہ جانور کو "ذبیحہ" کہا جاتا ہے۔

خداوند عالم نے حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ ایک ایسی "ذبح" کو قرار دیا جو اس کی نگاہ میں با عظمت ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ: "ہم نے ان کا فدیہ "ذبح عظیم" کو قرار دیا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اس فدیہ کے ذبح ہونے میں کون سی ایسی بات تھی جس کی بنا پر اس کا ذبح ہونا حضرت اسماعیل کے مقابلے میں عظیم قرار پایا۔

اگر کوئی "ذبح عظیم" سے بہشت کا دنبہ مراد لے تو (کلام بلاغت پر حرف آتا ہے کیونکہ) جناب اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے، اور وہ دنبہ، بہرحال ایک جانور تھا۔

جانور کو ذبح کرنا کسی پر شاق نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف۔۔ باپ کے لئے اپنے پیارے فرزند کو ذبح کرنا، ایک قیامت ہے۔

ایسی صورت میں تو حضرت اسماعیلؑ ہی کا ذبح ہونا ذبح عظیم ہونا چاہیے، مگر خداوند عالم نے اس کے برعکس اس فدیے کے ذبح کے معاملے کو ذبح عظیم قرار دیا۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ:

وہ فدیہ بہشت کا دنبہ نہیں تھا بلکہ کوئی ایسا تھا جس کے ذبح کی شان حضرت اسماعیلؑ کے ذبح سے کہیں بڑھی ہوئی ہو اور جس کا اثر سب کے دلوں کو بے چین کر دینے والا ہوا۔ گویا:

وہی "ذبح عظیم" ہو سکتا ہے جس کے ذبح کی داستان سن کر سینکڑوں برس ذ کے بعد کے لوگ بھی تڑپ جائیں۔

وہی "ذبح عظیم" قرار پاتا ہے جو ہزار برس کے بعد بھی لوگوں کو اپنی عظمت کی بنا پر رُلاتا ہے۔

وہی "ذبح ذعظیم" ہو سکتا ہے کہ اپنے تو اپنے، غیروں بلکہ دشمنوں کو بھی اس کے شہید کئے جانے پر رونا آجائے۔

اور اسی کو ذ بحذ عظیم کہا جا سکتا ہے۔ جسے جس دن ذبح کیا گیا اس دن کی آمد کے ساتھ ہی دنیا بھر کے کروڑوں اہل ایمان کے دلوں پر رنج و غم کے بادل چھا جائیں، دلوں میں ہمدردی کا جذبہ جوش مارنے لگے اور جس کی یاد تمام دنیا میں انقلاب پیدا کر دے۔

اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے جیسا "ذبیح" دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی، تو آپ کے سوا کوئی اور "ذبح عظیم" بھی نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ بہشت کے ایک دنبہ کو حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ قرار دے کر اس جانور کے ذبح کو حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کے مقابلے میں عظیم کہتے ہیں، ان کو نہ صرف حضرت ابراہیمؑ کی معرفت ہے، نہ حضرت اسماعیلؑ کی اور نہ وہ نبوت کی عظمت و جلالت سے باخبر ہے۔

اسی لئے تو جناب اسماعیل جیسے پیغمبر کے ذبح کے مقابلے میں دنبے کے ذبح کئے جانے کو ذبح عظیم کہتے ہیں۔ حالانکہ معتبر روایات کے علاوہ، عقل و دانش کا بھی تقاضا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کو ہی ذبح عظیم قرار دیا جائے۔۔۔ کیوں کہ حضرت امام حسینؑ کا ذبح کیا جانا، حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کئے جانے کی بہ نسبت کئی وجہوں سے عظیم ہے:ذ

(۱) حضرت اسماعیلؑ اپنے ہی وطن میں ذبح کئے جا رہے تھے جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے شہر، بلکہ اپنے ملک سے بہت دور، عالم مسافرت میں ذبح کئے گئے۔

(۲) حضرت اسماعیلؑ کو حکم خدا کے مطابق جناب ابراہیمؑ ذبح (کرنے کے لئے منیٰ کے میدان میں لے گئے) تھے۔، جو باپ تھے، جو کسی قسم کی سختی، جناب اسماعیلؑ کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر حضرت امام حسینؑ کو آپ کے سخت ترین دشمنوں نے نہایت بے رحمی سے ذبح کیا۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کی تیاری یہ کی گئی کہ آپ کو زمین پر لٹایا گیا جس کے بعد چھری پھیر دی جاتی۔ مگر حضرت امام حسینؑ اس طرح ذبح کئے گئے کہ آپ پر ہزاروں تلواروں، نیزوں، بلکہ پتھروں کے زخم پہلے لگائے گئے، پھر گردن کے پیچھے سے آپ کا سر جدا کیا گیا۔

(۴) حضرت اسماعیلؑ جب ذبح کے لئے لے جائے گئے تو ان پر کھانا، پانی بند نہیں کیا گیا، لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کیا گیا۔

(۵) حضرت اسماعیلؑ کے سذبح کا جب ارادہ کیا گیا تو آپ کا ذ دل و دماغ آپ کے دوستوں، ساتھیوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور بیٹوں کے داغ سے زخمی نہیں ہوا تھا۔ مگر حضرت امام حسینؑ کو ذبح کرنے سے پہلے یہ سب ستم بھی آپ پر ڈھائے گئے۔

اور آیت میں ذ جب "ذبح" کو عظیم کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

وفدیناہ بذبح عظیم۔ (ہم نے ان کا فدیہ ایک ذبح عظیمس کو قرار دیا) تو مقام "ذبح"۔۔۔۔ میں حضرت اسماعیلؑ کا "ذبح" اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اتنا عظیم نہ ہوتا، جیسا کہ سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کا میدان کربلا میں، تین دن کی بھوک و پیاس میں ذبح کیا جانا، عظیم نظر آتا ہے۔

اب اگر، خاندان رسالت سے موصول ہونے و الی اذ حادیث میں سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو "ذبح عظیم" سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔۔ □□□

(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

مالک، پبلشر، پرنٹر و ایڈیٹر تقدیس فاطمہ رضوی نے گروپ 5 پبلی کیشن 55بی-وزیر حسن روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر پہلی منزل مسجد نور محل ساکیت پلی نرہی، لکھنؤ سے شائع کیا۔ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر ہارون رشید
Proprietor, Publisher, Printer and Editor, Taqdees Fatima Rizvi printed at Group 5 Publication, 55B, Wazir Hasan Road, Lucknow, and published from Masjid Noor Mahal, First Floor, Saket Palli Narhi, Lucknow. , Resident Editor: Dr. Haroon Rasheed, avadhnama@gmail.com, Ph:0522-3506829, 9335135181

عزاداری امام حسین علیہ السلام: محرم اور ہدایت

مولانا عرفان حیدر عالپوری

ماہ محرم الحرام اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ ہے، جو نہ صرف حرمت والا مہینہ ہے بلکہ ہدایت، قربانی، صبر، اور حق و باطل کے درمیان فرق کو سمجھنے کا مہینہ بھی ہے۔ اس مہینے کی سب سے اہم اور مرکزی علامت "واقعۂ کربلا" ہے، جو اسلامی تاریخ کا ایک عظیم اور دل دہلا دینے والا واقعہ ہے۔

1. محرم کی حرمت

قرآن کریم (سورۃ التوبہ: 36) کے مطابق محرم ان چار مہینوں میں شامل ہے جنہیں "حرمت والے مہینے" کہا گیا ہے۔ ان مہینوں میں جنگ و جدال سے اجتناب اور روحانی اصلاح کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ وقت ہے کہ انسان اپنے اندر جھانکے، اپنی نیتوں اور اعمال کا جائزہ لے اور ہدایت کی راہ کو اپنائے۔

2. کربلا اور ہدایت

واقعۂ کربلا صرف ایک تاریخی حادثہ نہیں، بلکہ ایک ایسا روشن مینار ہے جو ہمیں ہدایت، حق، صبر، اور قربانی کے عظیم اصول سکھاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے یزید جیسے فاسق حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر ہمیں یہ سبق دیا کہ:

باطل کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا،

حق کے لیے جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے،

ہدایت کا راستہ ہمیشہ مشکل ہوتا ہے مگر وہی منزل تک لے جاتا ہے۔

3. ہدایت کی علامت

امام حسینؑ کو رسول اللہ ﷺ نے "سید الشہداء" اور سید شباب اہل الجنہ" کہا۔ اُن کی قربانی، امتِ مسلمہ کے لیے ہدایت کا چراغ ہے

إِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةِ جَدِّي

میں اپنے نانا (رسولِ خدا ﷺ) کی امت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں۔"

(امام حسینؑ)

4. محرم: خود احتسابی کا مہینہ

محرم ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم خود سے سوال کریں:

کیا ہم حق و باطل کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں؟

کیا ہم ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں؟

کیا ہم ہدایت کے راستے پر ہیں یا صرف رسومات کے پابند ہو چکے ہیں؟

5. ہدایت کے ذرائع

محرم میں ہدایت حاصل کرنے کے چند اہم ذرائع:

قرآن کی تلاوت اور غور و فکر

سیرتِ امام حسینؑ اور اہل بیت کا مطالعہ

مجالس و خطابات میں شرکت

دعاؤں اور مناجات کے ذریعے روحانی قرب

محرم صرف غم کا مہینہ نہیں بلکہ بیداری، آگہی اور ہدایت کی جستجو کا وقت ہے۔ اگر ہم امام حسینؑ کے پیغام کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں میں نافذ کریں، تو یقینی طور پر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ظلم، ناانصافی، اور گمراہی سے نجات پا سکتے ہیں۔

محرم کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں ائمہ معصومین (ع) نے امام حسین (ع) کے لیے سوگ منانے، ابوعبداللہ (ع) کے لیے گریہ و زاری اور ماتمی اجتماعات منعقد کرنے کی سفارش کی ہے۔ ریان بن شبیب فرماتے ہیں: میں امام رضا علیہ السلام کے خدمت میں حاضر ہوا تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آج کون سا دن ہے؟ آج وہ دن ہے جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی اور خدا سے اولاد کی دعا مانگی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور خدا نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے نوازا۔ پھر آٹھویں امام نے فرمایا: ریان بن شبیب، محرم وہ مہینہ ہے جو اسلام سے پہلے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے محترم تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس مہینے کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا: اس مہینے میں جنگ اور قتل و غارت جائز نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے مشرکین اور غیر مسلم بھی

»يُحَرِّمُونَ فِيهِ الظُّلْمَ وَالْقِتَالَ«؛

جنگ کو ماہ محرم میں ممنوع جانتے تھے

اسی وجہ سے اسے محرم کہا جاتا ہے۔ یہ نام اسلام سے پہلے کا ہے۔ پھر امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: وہ مہینہ جس میں کفار و مشرکین جنگ نہیں کرتے تھے اور جنگ کو حرام کہتے تھے، اس مہینے میں بنی امیہ نے اسلام اور دین کے نام پر امام حسین علیہ السلام کی حرمت کو پامال کیا اور آپ کو ناحق شہید کیا۔ پھر امام رضا نے فرمایا: يَا ابْنَ شَبِيبٍ، اے شعیب کے بیٹے!

»إِنْ كُنْتَ بَاكِياً لِشَيْءٍ«؛

اگر تم کو کسی چیز پر رونا آئے"

»فَابْكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ«؛

پس میرے حسین پہ گریہ کرنا

»فَإِنَّهُ ذُبِحَ كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ«

اِس لئے کہ میرے حسین کو ایسے ذبح کیا گیا جیسے کسی بھیڑیے کو ذبح کیا جاتا ہے

امام حسین علیہ السلام پر اشک باری

یہ آنسو بھی قدرتی آنسو ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معصومین نے فرمایا ہے کہ ابا عبداللہ علیہ السلام پر آنسو گناہ کو دور کرتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ گناہوں کا بیمہ نہیں ہے۔ کہ تم روؤ، پھر گناہ کرو اور کہو کہ اس سے پاک ہو جائے گا نہیں، ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، آپ پھول کے دامن میں کھاد ڈالتے ہیں، جو دوسرے لوگ وہاں ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں، اس سے بدبو آ رہی ہے، یہ کھاد آپ نے یہاں کیوں رکھی؟ تو آپ کہتے ہیں: ٹھہرو، صبر کرو یہ کھاد ایک خوشگوار بو بن جائے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد، یہ کھاد مٹی سے جذب ہو جاتی ہے، آہستہ آہستہ، اس پھول کو اس کھاد سے زندگی ملتی کمال ملتا ہے، اور مزید ایک ماہ سے تین ماہ تک، جب لوگ باغ میں جاتے ہیں، تو کہتے ہیں: واہ، کیا اچھی خوشبو آ رہی ہے! اب اس سے کھاد کی بو نہیں آ رہی ہے اسی طرح یہ عزاداری یہ گریہ یہ محرم میں اشک باری انسان کو گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر نیکیوں کے راستے پر لگا دیتی ہے اخلاق سنور جاتا ہے کردار نکھر جاتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قرآن کہتا ہے:

»إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ«

»نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں «یا

»يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ«

خداوند برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے

اللہ قرآن میں فرماتا ہے

»لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِم

بری بات کا اعلان کرنا خدا پسند نہیں کرتا، لیکن وہ کہتا ہے، ایک جگہ فریاد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں کسی کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مظلوموں کی فریاد کا واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ کوئی مظلوم کو دیکھ کر خاموش کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ جیسے بھی ممکن ہو مظلوم کی مدد کرنی چاہیے کچھ نہیں کر سکتے تو آنسو بہا کر مظلوم کی مدد کرنی چاہیے۔ حضرت زہرا نے مظلوم کی مدد کیسے کی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے 75 دن یا 95 دن بقیع اور احد میں گئیں اور گریہ کیا۔ یہ رونا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے نقصان پر نہیں تھا۔ بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقصان اور امیر المومنین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے لیے تھا۔ لہٰذا، ہمارے پاس رونے کی پانچ قسمیں ہیں: عقیدہ، جذباتی، نیکی کا طالب، گناہوں کو معاف کرنا، اور مظلوم کے لیے رونا۔" ان میں سے چار قسمیں واقعہ کربلا میں ہیں۔

ہم امام حسین علیہ السلام پر کیوں آنسو بہاتے ہیں؟

1- کیونکہ ابوعبداللہ (علیہ السلام) ہمارے عقائد کا مجسمہ ہیں، امامت ہمارے دین کا لازمی جزو ہے۔

2- ابوعبداللہ مجسم فضیلت ہیں، ہم خوبیوں کی کمی پر آنسو بہاتے ہیں۔

3- ہم اس لیے روتے ہیں کہ ہمارے دل ابوعبداللہ کے لیے دردمند ہیں کہ ان کی شیر خوار بچے کو بھی تین بھال کے تیر سے شہید کیا گیا۔

4- وہ مظلوم تھے۔

آپ ان میں سے ہر ایک پر غور کریں، عزاداری ہے۔ سید ابن طاؤس کہتے ہیں: اگر ہمیں عزاداری کا حکم نہ دیا جاتا تو عاشورہ ایک جشن ہوتا۔ لیکن مصیبت کا طریقہ اس طرح نہیں ہے۔ اگر کسی کو تیر لگے تو آپ متاثر ہوں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بچہ کسی کی آنکھوں کے سامنے قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، کوئی خاموش بیٹھا رہے اور اس پر آنسو نہ بہائے! یہ رونا کمزوری کی علامت نہیں ہے، بے بسی کا رونا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر آنسو بہانے کا بہت زیادہ اجر دیا گیا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز کے بعد امام حسین علیہ السلام کی قبر کے زائرین کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ، اگر انہوں نے اس سفر میں پیسے خرچ کیے ہیں تو اس کے بدلے میں ان کو پیسے دے، اگر انہیں ستایا گیا ہے تو اس کے بدلے میں ان کو امان عطا فرما، اے اللہ جو لوگ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے گئے ہیں، وہ جو چاہیں، ان کی حاجتیں پوری فرما" معاویہ ابن وہب کہتے ہیں: جب امام اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے امام سے پوچھا: مولا آپ کس کے لیے دعا کر رہے ہیں؟ فرمایا: امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے والوں کے لیے۔ میں نے کہا: مولا، آپ نے ان کے لیے بڑا اجر شمار کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جو لوگ آسمان میں امام حسین علیہ السلام کی قبر کے زائرین کے لیے دعا کرتے ہیں وہ زمین والوں سے زیادہ ہیں، فرشتے دعا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم فرشتوں سے مصافحہ نہیں کرنا چاہتے؟ - اگر فرشتے کسی شخص کو چھوتے ہیں تو یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن اگر شیطان کسی کو چھوئے تو بہت بری بات ہے۔ فرشتے انسان کو چھو لیں تو اس کا دل فرشتوں کے لیے رہنے کی جگہ بن جاتا ہے۔ جب امام نے فرمایا: کیا تم فرشتوں سے مصافحہ کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: جی مولا۔ امام نے فرمایا: میرے جد امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرو۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں

»مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبِي عَبدِالله علیه السلام بِشَطِّ الْفُرَاتِ كَمَنْ زَارَ اللهَ فَوْقَ عَرْشِهِ«؛

جو کربلا میں ہمارے جد امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرتا ہے ایسے ہی ہے جیسے عرش پر اُس نے خدا کی زیارت کی میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ ہمارے ائمہ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ایک عام موبلائزیشن آرڈر جاری کرنا چاہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ہو خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کرے گا، ہم اسے اجر دیں گے۔ کیوں؟ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی یاد زندہ رہے۔ توجہ فرمائیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے تو وہ صحرا تھا، وہ اپنی بیوی اور بچے کو وہیں چھوڑ گئے۔ ایک ایسی سرزمین جہاں نہ پانی، نہ خوراک، نہ ترقی۔ بلکہ، یہ ایک ہموار صحرا تھا۔ پھر دعا کی: اے اللہ ان لوگوں کو محبوب بنا، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کر۔ قرآن مجید کہتا ہے: ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح دعا کی:

»رَبَّنَا ... فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ«

اے ہمارے رب... لوگوں میں سے کوئی ایسا تحفہ دے جو ان کو پسند آئے"

اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر

جناب ابراہیم نے لوگوں کے جسموں کے لیے نہیں کہا، بلکہ لوگوں کے دلوں کی بات کی اور وہاں سے چلے گئے۔ بعض نے لکھا ہے: تیس سال بعد واپس آئے اور خانہ کعبہ بنایا۔ جب انھوں نے کعبہ بنایا تو خدا نے اس سے کہا: "ابراہیم، اعلان کرو کہ لوگ مکہ آئیں۔" ابراہیم نے کہا: اے خدا، میں اس کا اعلان کیسے کروں؟ خدا نے فرمایا: اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر رکھو، اس پر جاؤ اور کھڑے ہو جاؤ اور نعرہ لگاؤ: اے دنیا والو! انھوں نے کہا: اے خدا، اس صحرا میں میری آواز دنیا والوں تک کیسے پہنچے گی، یہاں میں خود ہوں، اور یہ بیوی اور میرا بچہ اور ان کے گرد جمع ہونے والے چار قبیلے، اے اللہ! میں دنیا والوں کو حج کے لیے آنے کی خبر کیسے دوں؟ کہا گیا: تم پکارو، ہم تمہاری آواز کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیں گے۔ "لوگوں کو حج کے لیے پکارو۔ حضرت ابراہیم نے اعلان کیا کہ لوگ حج کے لیے آئیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے کیا کرتے ہیں! خدا نے یہی حکم دیا ہے۔ جو وہاں جائے اسے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا چاہیے، خواہ وہ صدر ہو، حاکم ہو، عالم ہو، غریب ہو یا امیر ہو۔ یہ بھاگ دوڑ غرور و تکبر کو ختم کر دیتی ہے۔ آپ جو بھی ہوں، آپ کو صرف دو سفید احرام کے ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان چلنا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان احرام کے لباس میں ہونا ضروری ہے۔ یہ مستحب طواف کی طرح نہیں ہے، جہاں بغیر احرام کے چل سکتے ہیں، لیکن جب آپ وہاں داخل ہوں تو آپ کو احرام کے لباس میں ہونا ضروری ہے، صرف دو سفید تولیوں کے ساتھ؛ چاہے آپ جنرل ہوں یا صدر، آپ کو سات بار چلنا ہوگا۔ خدا نے یہ حکم دیا ہے:

»إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ«؛

»صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں«،

»فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ«؛

جو بھی اس گھر میں آئے گا اس کو دوڑنا ہے

اللہ نے حجر اسود کے ٹکڑے کو محبوب بنایا ہے۔ خود پتھر جس کی کوئی حیثیت نہیں، وہ پتھر ایک کونے میں رکھا ہوا ہے۔ اب جب آپ وہاں جائیں گے تو دیکھیں گے کیا ہو رہا ہے؟! لوگ حجر اسود کے لیے کیا کرتے ہیں؟! سیاہ پتھر کا ایک ٹکڑا، جس کے اہم حصے پوری تاریخ میں تباہ ہو چکے ہیں اور صرف چند حصے باقی ہیں۔ اب لوگ اس پتھر کے بارے میں کیا دریافت کریں۔ خدا نے اس حجر اسود کو محبوب بنایا ہے۔ خدا نے امام حسین علیہ السلام کو محبوب بنایا، کربلا کو محبوب بنایا، وہاں کی مٹی کو، اس مٹی پر سجدہ اور امام حسین علیہ السلام کے گنبد کو محبوب بنایا۔ امام ہادی علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ امام نے لوگوں کو کربلا بھیجا کہ میرے لئے دعا کرو وہ خود امام ہیں، خدا کی دلیل ہیں۔ جب لوگ امام سے پوچھتے ہیں: مولا، آپ خود نماز کیوں نہیں پڑھتے، جب کہ آپ امام ہیں! امام فرماتے ہیں

»إِنَّ الْإِجَابَةَ تَحْتَ قُبَّتِهِ وَالشِّفَاءَ فِي تُرْبَتِهِ«

میرے جد کے قبے کے نیچے دعا قبول ہوتی ہے اُن کی تربت میں شفاء ہے۔

تو زیارت کے ان تمام انعامات، رونے کے یہ سارے انعامات اور امام حسین علیہ السلام کے لیے مجالس منعقد کرنے کے ان تمام انعامات کا کیا مقصد ہے؟ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا نام زندہ رہے۔ آنسو بہانے اور جنازہ اٹھانے والے کے لیے نہ صرف یہ کہ کوئی ممانعت نہیں بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس عزاداری اور رونے پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ سوگ کے تصور کو نہیں سمجھتے، انہوں نے رسموں کی تعظیم کے تصور کو نہیں سمجھا۔ ماضی میں جب کوئی شخص حج پر جاتا تھا تو بعض اوقات اپنے ساتھ اونٹ اور بھیڑیں قربانی کے لیے لے جاتا۔ آج وہ انہیں وہاں خریدتے ہیں۔ وہ اس اونٹ یا بھیڑ پر نشان لگا دیتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ اونٹ قربانی کرنے والے کا ہے؛ یعنی، دوسرے لفظوں میں، کوئی بھی اسے خرید یا فروخت نہیں کر سکتا۔ پہلے مدینہ یا مدینہ کے گرد و نواح سے قربانی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ قرآن کہتا ہے:

»وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ«

» ہم نے اس اونٹ کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے؛

دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے: »وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ«

جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے یہ تعظیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے دل میں تقویٰ موجود ہے

جس اونٹ پر نشان لگا ہو وہ خدا کی نشانی کیسے بن سکتا ہے؟ اسے محفوظ رکھنا ہے! منیٰ جانے والے ہر شخص کو قربانی کرنی ہے! لیکن بہتر 72 برگزیدہ افراد جنہوں نے ایک ہی دن میں ایک ہی سرزمین پر اپنے سر تن سے جدا کرا لیے، کیا یہ خدائی نشانیوں میں سے نہیں ہیں؟ کیا امام صادق علیہ السلام کو ان پر آنسو نہیں بہانا چاہیے؟ کیا امام رضا علیہ السلام کو نصیحت نہیں کرنی چاہیے؟ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

»كَانَ أَبِي إِذَا دَخَلَ شَهْرُ الْمُحَرَّمِ لَا يُرَى ضَاحِكاً وَكَانَتِ الْكَآبَةُ تَغْلِبُ عَلَيْهِ حَتَّى يَمْضِيَ مِنْهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْعَاشِرِ كَانَ ذَلِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ مُصِيبَتِهِ وَ حُزْنِهِ وَبُكَائِهِ«؛ "جب محرم آیا تو میرے والد کو یکم محرم سے عاشورہ کے دن تک کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا اور ان کی اداسی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور عاشورہ کے دن ان کے رخساروں پر آنسو بہتے رہے۔"

میں نے آج یہ چند جملے عزاداری کی اہمیت کو واضح کرنے اور ان شکوک و شبہات کا جواب دینے کے لیے پیش کیے ہیں جو امام حسین علیہ السلام کے لیے رونے کے بارے میں بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معصومین علیہم السلام سے بہت سی روایات موجود ہیں۔ علامہ امینی مرحوم نے اپنی کتاب "سیرتنا و سنتنا" میں یہ ثبوت اور روایات پیش کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالمطلب، ابو طالب، فاطمہ بنت اسد کے جنازوں پر، حمزہ کی قبر کے پاس، اور اپنے بیٹے ابراہیم کی لاش کے پاس آنسو بہائے اور روئے تھے۔ فرمایا:

»مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ«؛

جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا

آنسو بہانا ایک فطری خواہش ہے۔ یہ آنسو عظمت کے آنسو ہیں، آنسو جو انسان کے لیے خوشی، مسرت اور اندرونی انقلاب لاتے ہیں۔ دل محسوس کرتا ہے کہ ان آنسوؤں سے وہ گناہوں سے دھل جاتا ہے، اس میں عبادت کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اس میں خدمت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے مزارات سے نکلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل اب جھوٹ بولنا نہیں چاہتا، وہ نہیں چاہتا کہ اس کی نظر کسی نامحرم پر پڑے؛ کیونکہ اس نے امام حسین علیہ السلام کے لیے آنسو بہائے ہیں۔ یہ آنسو تعمیری ہیں، یہ آنسو تباہ کن نہیں ہیں، یہ آنسو محض مصائب اور جبر کے آنسو نہیں ہیں، یہ آنسو علم اور موجودگی کے آنسو ہیں، فہم کے آنسو ہیں اور ابوعبداللہ علیہ السلام سے تعلق کے آنسو ہیں۔

ذکر مصیبت

امام صادق (ع) نے فرمایا: اگر تم میرے جد ابوعبداللہ (ع) کی زیارت کرنے سے عاجز ہو نہیں جا سکتے ہو تو تین بار قبلہ کی طرف رخ کرو اور کہو: » صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ « دوسری جگہ نقل ہوا ہے کہ اپنے گھر چھت پہ جاؤ اور با آواز بلند کم سے کم ایک بار کہو » السلام علیک یا اباعبداللہ « بعض اصحاب تو اپنی نماز تمام کرنے کے فوراً بعد تسبیحات میں کہتے تھے » السلام عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ الله « وہ لوگ کہتے تھے مولا کیا یہ تعقیبات نماز کے جزو میں سے جو اسکی اتنی تاکید کی گئی ہے یہ امام فرماتے ہیں نہیں لیکن ہمارے پاس جو دین ہے یہ امام حسین علیہ السلام کی یہ دولت ہے یہ نماز بھی امام حسین علیہ السلام کی قربانی کی وجہ سے باقی ہے: » أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ « پیامبر (صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں: حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ

ہماری نماز ہمارا دین کربلا کی وجہ سے باقی ہے امام حسین علیہ السلام کے خون کے یہ دولت باقی ہے میں یہ کہتا ہوں: » السلام عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ الله « جیسا کہ مجھے یاد ہے ہمارا دین عاشورہ اور کربلا سے جڑا ہوا ہے۔ آج ہم بھی اہل بیت علیہم السلام کے روضہ مبارکہ سے کربلا کی طرف اپنے دلوں کو نچھاور کرتے ہیں۔ کربلا کیا نام ہے مصیبت اور مصیبت۔ کیا نام ہے، پیاس کی یاد دلانے والی، مصیبت کی یاد دلانے والی

» السلام علیک یابن امیرالمؤمنین، و ابن سید الوصیین، السلام علیک یابن فاطمہ، سیدہ نساء العالمین۔ «

☆☆☆☆

نواسۂ رسول امن پسندی کے نمائندہ تھے

نواب علی اختر

قیامت تک نواسہ رسول کی یاد دنیا والوں کو یہ درس دیتی رہے گی کہ کسی ظالم، فاسق و فاجر کی بیعت کی ذلت قبول کرنے سے عزت کی موت بہتر ہے۔

دنیا میں جنگ و جدل کے باوجود عالمی سطح پر گزشتہ برس کے مقابلے نئے جوش و جذبے کے ساتھ فدائین اہلبیت ہر ممکنہ طریقے سے عزاداری سید الشہداء منانے میں مصروف ہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں ہماری قوم کے نوجوانوں نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ وہ محدود وسائل و ذرائع کے ساتھ بھی اسی تزک و احتشام کے ساتھ عزائے امام حسین منا سکتے ہیں، جیسے پہلے عام حالات میں منائی جاتی تھی۔ امام بارگاہوں میں ہر سال کی طرح عزاداروں کی بھیڑ ہے، جلوسہائے عزا کا سلسلہ جاری ہے۔

ہر طرف سبیلوں اور تبرک سے بلا تفریق مذہب پوری انسانیت سیر اور سیراب ہو رہی ہے، مگر عوامی پلیٹ فارم کا جتنا اچھا اور موثر استعمال اس سال دیکھا گیا ہے، اس سے استعماری طاقتیں اور ہمارے ملک کی برقانی تنظیمیں بھی انگشت بدنداں ہیں۔ سوشل میڈیا سے لے کر دیگر ذرائع ابلاغ پر نواسہ رسول حضرت امام حسین کا غم محیط ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ عزاداری نہ کبھی رکی تھی اور نہ رک سکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ نہ جانے کتنے ایسے زمانے گذر چکے ہیں کہ جب عزائے امام حسین پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی اور منصوبہ سازی ہوئی کہ عزاداری سید الشہداء کو دنیا سے ختم کر دیا جائے مگر آج ان منصوبہ سازوں کا اتا پتہ نہیں ہے مگر عزائے امام حسین اسی شان و شوکت کے ساتھ منائی جا رہی ہے بلکہ امتداد زمانہ کے ساتھ اس کی شان و عظمت میں مزید اضافہ ہی ہوا ہے۔

دشمنان اسلام کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عزاداری تو اس وقت بھی نہیں رکی جب زیارت امام حسین کے عوض ماؤں سے ان کی گودیوں کے پالوں کو طلب کیا گیا۔ ماؤں نے اپنے بچوں کی قربانیاں دے کر عزائے امام حسین کی حفاظت کی اور ظالموں کو یہ واضح پیغام دیا کہ محبان اہلبیت کے لئے اس غم کی یادگار منانے سے زیادہ کوئی دوسری چیز اہمیت نہیں رکھتی۔ 60 ہجری جو نہی ختم ہوئی 61 ہجری کا محرم بڑے افسوس اور غم و اندوہ میں غرق ہو کر، بڑی بے تابی سے، حزن سے بھرے ہوئے اور مجبوری کے عالم آغاز ہوا، اس لئے کہ نواسہ رسول سال کی ابتدا یعنی 2 محرم کو کربلا میں پہنچ کر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ نہ صرف نواسہ رسول بلکہ رسول خدا کے اہل بیت اور دیگر رشتہ دار بھی کربلا کے میدان میں پہنچ کر مستقبل قریب کے منتظر تھے۔

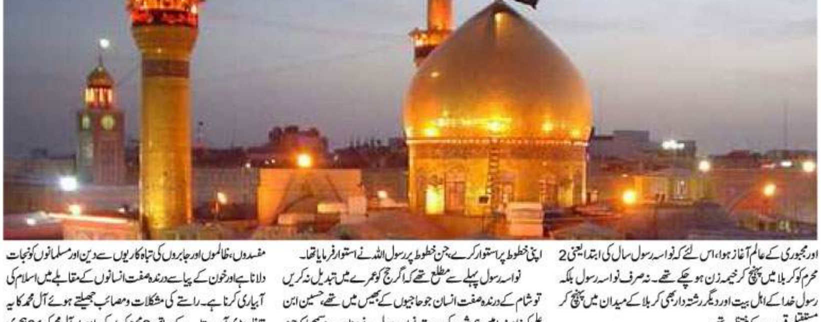

ایسے حالات میں زمین کربلا مضطرب دکھائی دے رہی تھی جب کہ خدا کے حضور نواسہ رسول و باوفا اصحاب راز و نیاز اور دعا و مناجات میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ آل محمد کا یہ قافلہ نئے سال کے آغاز میں ہی ایک تپتے ہوئے ریگستان میں پہنچ چکا تھا اور نواسہ رسول اپنے ساتھیوں کو شہادت کی خوش خبریاں سنا رہے تھے۔ یہ وہی حسین تھے جس کی شان میں رسول خدا نے فرمایا تھا 'حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں'۔

آج یہی عظیم ہستی، اللہ کا یہی محبوب بندہ حج کو عمرے میں تبدیل کر کے کربلا پہنچ چکا تھا تا کہ یزیدی استبداد اور ظالم و جابر حکمران کے ہاتھوں جان بلب اسلام کو ایک دفعہ پھر نئی زندگی عطا کرے اور اسلامی معاشرے کو اپنی خطوط پر استوار کرے، جن خطوط پر رسول اللہ نے استوار فرمایا تھا۔

نواسہ رسول پہلے سے مطلع تھے کہ اگر حج کو عمرے میں تبدیل نہ کریں تو شام کے درندہ صفت انسان جو حاجیوں کے بھیس میں تھے، حسین ابن علی کو خانہ خدا میں ہی شہید کر دیتے۔ نواسہ رسول نے مناسب نہ سمجھا کہ حرم پاک کی حرمت پامال ہو جائے اس لئے آپ عمرہ کر کے بیت اللہ کی حرمت کو محفوظ رکھتے ہوئے کربلا پہنچ گئے۔ جس اسلام کو رسول خدا نے جان کی ہتھیلی پر رکھ کر ہزار زحمتوں، اذیتوں کو برداشت کر کے پالا تھا، آج وہی اسلام سرے سے مٹ رہا تھا اور مسلمانوں کے قلب و نظر میں اس کی جڑیں اس حد تک کمزور ہو چکی تھیں کہ جب تک خون سے انہیں سیراب نہ کیا جاتا، اسلام کا زندہ رہنا محال نظر آ رہا تھا۔

اس پس منظر میں نواسہ رسول نے یہ اعلان کرتے ہوئے قیام فرمایا' میرا مقصد دنیاوی حکومت یا مال و زر کا حصول نہیں بلکہ اپنے نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امت محمدی کی اصلاح کرنا ہے۔ مفسدوں، ظالموں اور جابروں کی تباہ کاریوں سے دین اور مسلمانوں کو نجات دلانا ہے اور خون کے پیاسے درندہ صفت انسانوں کے مقابلے میں اسلام کی آبیاری کرنا ہے۔ راستے کی مشکلات و مصائب جھیلتے ہوئے آل محمد کا یہ قافلہ بڑی آب و تاب کے ساتھ 2 محرم کو وارد کربلا ہوا۔ آل محمد کو 61 ہجری کی ابتدا میں ہی مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور یہ مہینہ آل محمد اور ہر انصاف پسند انسان کے لئے نہ بھولنے والا مہینہ ثابت ہوا۔

نواسہ رسول نے بدعتوں، گمراہیوں، ظلم و استبداد اور شرک و استحصال کے خلاف قیام کیا۔ اس مہینہ میں نواسہ رسول کو حق پرستی اور عدل پروری کے جرم میں شہید کیا گیا۔ کربلا کی تپتی ہوئی صحرا کو نواسہ رسول اور ان کے 72 ساتھیوں کے خون سے سیراب کیا گیا۔ یوں اسلامی معاشرہ ہمیشہ کے لئے درندہ صفت، حکمرانوں، استحصال و استکبار اور ظلم و ناانصافی کے خونچکاں پنجوں میں گرفتار ہو گیا۔ دین محمد کا سورج جو اپنی روشنی کھو چکا تھا، ایک دفعہ پھر بڑی آب و تاب سے طلوع ہوا اور اپنی کرنوں کے ذریعے دنیا والوں کو بتلا دیا کہ کربلا میں نواسہ رسول نے ہمیشہ کے لئے اسلام کا علم بلند کیا ہے۔ قیامت تک نواسہ رسول کی یاد دنیا والوں کو یہ درس دیتی رہے گی کہ کسی ظالم، فاسق و فاجر کی بیعت کی ذلت قبول کرنے سے عزت کی موت بہتر ہے۔

محرم زندہ دل انسانوں کو یہ پیغام بھی دیتا ہے کہ واقعہ کربلا صرف حسین بن علی علیہ السلام اور یزید کے درمیان چھڑ جانے والی جنگ نہیں بلکہ حق و باطل کے درمیان لڑی جانے والی جنگ ہے اور حق نے اپنا سر کٹوا کر باطل کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا ہے۔ امام حسین اپنے چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ کربلا پہنچے اور وہاں امام عالی مقام نے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں انسانوں کو جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھا دیا۔ آج کا محرم کربلا کی یاد ہے اور یہ محرم ہل من کی آواز ہے۔ محرم سرفروشان حق کا ناقابل شکست ولولہ ہے، محرم ظلمت کی گھٹاؤں سے طلوع ہونے والی نوید سحر ہے۔

یہی وہ مہینہ ہے جس میں عاشورہ برپا ہوئی۔ یوم عاشورہ جو میزان حق و باطل ہے، جس روز سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے باوفا اہلبیت و اصحاب کے ساتھ دشمنان اسلام کے مکروہ چہرے سے اسلام کا نقش نوچ پھینکا اور کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان میں یزیدیت کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ کربلا کے میدان میں باطل کے خلاف جنگ میں حق کی فتح کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانان عالم عزت و وقار کے ساتھ جی رہے ہیں، چنانچہ اگر مسلمان باہم متحد رہیں، اچھے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ امام حسین وحدت و یکجہتی کا محور و مدار ہیں اور جو چیز ہمیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے وہ اہل بیت ہیں۔

محرم الحرام کے مقدس ایام میں محراب و منبر سے امن و محبت، رواداری اور بین المسالک ہم آہنگی کے پیغام کو فروغ دیا جائے۔ محرم الحرام میں تمام مکاتب فکر کے علماء کرام وحدت، یگانگت، یکجہتی اور اخوت و بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے اس مقدس مہینے کو امن و سکون سے گزارنے کا پیغام دیں تا کہ نواسہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے امن، یگانگت اور اخوت اور بھائی چارے کے حقیقی پیغام کو عام کیا جا سکے۔ نواسہ رسول امن پسندی کے نمائندہ تھے اور یزید ظلم و دہشت گردی کا نمائندہ تھا۔ ہمیں اتحاد و سلامتی، برداشت و رواداری، اخوت و بھائی چارے اور علم و عمل کی راہ پر چلنا ہے تو امام حسین علیہ السلام کی پیروی کرنا ہوگی۔

☆☆☆☆☆

غیر مسلم شعراء اور انکا رثائی کلام

انجینئر منظر زیدی

اردو میں غیر مسلم شعراء کی مرثیہ نگاری کی روایت قدیم ہے۔ رثائی ادب میں غیر مسلم شعراء میں پہلا نام راؔو کا ملتا ہے۔دوسرے شاعر داسؔ بتائے جاتے ہیں۔دکن میں حقیرؔ، شفیقؔ، شاداںؔ، مالک جی اور ترمیق جی ذرہؔ کے نام اہم ہیں۔دکن کے سرکشن پرشاد شادؔ اپنی مرثیہ گوئی کے لئے مشہور ہیں۔شمالی ہند میں غیر مسلموں میں پہلے مرثیہ نگار مہاراجہ کلیان سنگھ ہیں۔ان کے علاوہ فتح چند شائقؔ، تلمیذ ناسخ لکھنوی، نول رائے، رائے سنگھ بیدار، گھاسی رام، بشیر اور دلگیر جیسے مرثیہ گو بھی گزرے ہیں۔

ہندو مرثیہ نگاروں نے اردو شاعری کی ادبی قدروں کا لحاظ رکھتے ہوئے مرثیوں کو مختلف شکلوں میں لکھا ہے اور درجہ ءکمال کو پہنچے ہیں۔ ہندو شعراء نے ایسے ایسے کلام پیش کئے ہیں جو دل کے تاروں کو جھنجھوڑنے والے اور قلب کی گہرائیوں میں اترنے والے ہیں۔ ہندوستان میں اردو میں مرثیہ لکھنے والے غیر مسلم شعراء کی تعداد سینکڑوں میں ہے جس میں ہندو اور سکھ دونوں شامل ہیں۔

مضمون میں ۱۵ غیر مسلم شعراء کا مختصر تعارف اور انکا رثائی کلام پیش کیا گیا تھا۔جس میں ادب سیتا پوری، ادیب لکھنوی، امن لکھنوی، آرزو سہارنپوری، جگن ناتھ آزاد، بسمل شمس آبادی، وجیندر سنگھ پرواز، جاوید وشسٹ، جوان سندیلوی، دلّو رام کوثری، ساحر ہوشیار پوری، مہیندر سنگھ بیدی سحر، ماتھر لکھنوی، مہیندر کمار اشک، اور روپ کماری شامل تھے۔اسکے بعد ۱۰ ستمبر ۲۰۱۹ء کو اسی عنوان کے تحت اودھ نامہ (اردو) میں شائع مضمون میں ۱۶ غیر مسلم شعرا کا مختصر تعارف اور انکا کلام پیش کیا گیا تھا جس میں راجہ الفت رائے، رگھوناتھ سہائے امید، بال کشن داس باغ، رانا بھگوان داس، پرکاش ناتھ پرویز، پرتاپ شاہ آبادی، لبھو رام جوش ملسیانی، چندر پرکاش جوہر، بدھ پرکاش جوہر، ڈاکٹر ستنام سنگھ خمار، پریم سوشیل درد، ڈاکٹر مہیندر ناتھ، ذہین لکھنوی، بلدیو پرشاد، رام نارائن جگر اور جے سنگھ شامل تھے۔اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید ۱۵ غیر مسلم شعراء کا مختصر تعارف اور انکا کلام پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔سنت درشن سنگھ،درشن

ان کی پیدائش ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو سیّد کسراں ضلع راولپنڈی میں ہوئی۔۱۹۴۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے۔آنرز کیا۔تقسیم ہند کے بعد بھارت آگئے۔مرکزی سرکار میں ڈپٹی سکریٹری کے عہدے سے رٹائر ہوئے۔۳۰ مئی ۱۹۸۹ء کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔انہوں نے اردو، فارسی، ہندی، پنجابی اور انگریزی میں شعر کہے۔ انہوں نے تمام اردو اصنافِ سخن میں جیسے غزل، نظم، رباعی، قطع، مثنوی، مسدس، حمد ونعت، اور سلام میں طبع آزمائی کی۔'فاتح کربلا' کے عنوان سے انکی ایک مثنوی کے چند اشعار پیش ہیں۔

حسین درد کو دل کو دعا کو کہتے ہیں
حسین اصل میں دینِ خدا کو کہتے ہیں
حسین حوصلہ انقلاب دیتا ہے
حسین شمع نہیں آفتاب دیتا ہے
حسین حسنِ پیمبر کی ضو کو کہتے ہیں
حسین سینہ حیدر کی لَو کو کہتے ہیں
حسین سلسلہ جاوداں ہے رحمت کا
حسین نقطہ معراج ہے رسالت کا
حسین سعیٔ تجلی میں کامیاب ہوا
لہو میں ڈوب کے ابھرا تو آفتاب ہوا
حسین لشکرِ باطل کا غم نہیں کرتا
حسین عزم ہے ماتھے کو خم نہیں کرتا

۲۔چھنو لال (غلام حسین) دلگیرؔ

ان کی ولادت ۱۷۸۰ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔انہوں نے مختصر عرصے میں مرثیوں اور سلاموں کا دیوان مرتب کیا۔ انہیں اپنے وقت کے مرثیہ گویوں پر فوقیت حاصل تھی۔جب میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی شروع کی اس وقت دلگیرؔ کا عالمِ پیری تھا۔بادشاہ غازی الدین حیدر کے عہد میں ۱۸۱۴ء میں دلگیرؔ نے اپنا مذہب ترک کر کے دینِ اسلام قبول کیا اور اسلامی نام غلام حسین رکھا۔ان کا انتقال ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ انکے مرثیہ کے چند بند پیش ہیں۔

جب آیا اسیروں کے لئے حکم رہائی
زینب نے خبر قید سے چھٹنے کی جو پائی
کہنے لگیں حضرت نے بہت دیر لگائی
چھٹنے کا جو وقت آیا مگر آئے نہ بھائی
بے سبطِ نبی لطفِ رہائی نہیں لوگو
زنداں سے نہ نکلوں گی کہ بھائی نہیں لوگو

جس روز سے مارا گیا فرزند پیمبر
کس طور کی رونے کی مناہی رہی ہم پر
اللہ نکالے گا جو زندان سے باہر
پھر رونا تو شبیر پہ ہوئے گا میسّر
گر لے جائیں اعدا ہمیں مقتل کی طرف سے
مل لیویں گے قبرِ پسرِ شاہ نجف سے

سجّاد نے جو بین کئے قبرِ نبی پر
شمہ جو لکھوں اسکا تو اک چاہئے دفتر
جس طرح مدینہ میں غرض پہنچے وہ مضطر
دل روتا ہے دلگیرؔ وہ حالت نہ رقم کر
گرحق سے دعا پوری ہو خواہش میں ہے جن کی
دکھلا دے مجھے قبرِ حسین ابنِ علی کی

۳۔مہاراجہ بلوان سنگھ، راجا

ان کی پیدائش ۱۷۹۹ء میں گوالیر میں ہوئی۔انہوں نے مختلف اصناف میں شعر کہے۔قصیدہ اور مرثیہ نگاری میں انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔انہوں نے ۱۰۲ بند کا ایک مرثیہ تصنیف کیا جو اپنی نوعیت کا پہلا مرثیہ ہے جس کے ہر بند میں فارسی بیت لگائی گئی ہے۔ مرثیہ نگاری میں انہیں کمال حاصل تھا۔۱۸۷۱ء میں آگرہ میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔مرثیہ کا ایک بند اور چند رباعیات پیش ہیں۔

تمام ہوچکی ہے فوجِ شاہِ تشنہ وہاں
یہ عرض کرتے ہیں عباس اے شہِ ذیشاں
کہ اپنے بیٹوں کو زینب بھی کر چکی قرباں
پڑا ہے لاشہ قاسم وہ دشت میں بیجاں
نثارِ گرد رہبت باد پیکر عباس
فدائی ناخن پایت شود سر عباس

رباعیات

مشہور زمانے میں عزادار بھی ہوں
مدّاحِ جنابِ شہ ابرار بھی ہوں
اقبال مرا اوج پہ ہے اے راجاؔ
ہجرائی بھی ہوں حاضرِ دربار بھی ہوں

۴۔رگھوبیر سرن دواکر، راہیؔ

انکی ولادت ۲۷ مارچ ۱۹۱۴ء کو امروہہ میں ہوئی۔۱۹۳۶ء میں بی۔اے۔ اور ۱۹۳۸ء میں ایل۔ایل۔بی۔ کی اسناد حاصل کیں۔ شروع میں ہندی ادب سے دلچسپی تھی۔ضلع اطلاعات افسر کے عہدے پر رہتے ہوئے بجنور اور جونپور قیام کے دوران ہندی میں کتابیں لکھیں ۱۹۶۴ء سے اردو میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔۱۹۶۵ء میں پہلی بار آپکے اشعار کا انتخاب 'بڑھتے قدم' شائع ہوا۔اسکے بعد بہت سے مجموعے منظرِ عام پر آئے۔انکا پہلا مرثیہ 'مقصدِ شہادت' کے عنوان سے ہے۔ اس کے چند بند پیش ہیں۔

آپ کیوں تسلیم کرتے بیعتِ دستِ یزید
آپ کی نظروں میں تھی روزِ سیہ باطل کی عید
گفتگوئے صلح کی پاکر نہ گنجائش مزید
ہوگئے اہلِ ستم کے تیر و خنجر سے شہید
آپ نے اسلام کے پرچم کو اونچا کر دیا
الغرض انسانیت کا بول بالا کر دیا

مسلکِ تسلیم اور حق کی رضا پر آپ نے
کرکے کوفہ کا سفر راہِ وفا پر آپ نے
رکھ دیا سوکھا گلا تیغِ جفا پر آپ نے
ظلم سے ٹکرا کے ارضِ کربلا پر آپ نے
گو بظاہر مسلکِ اسلام تابندہ کیا
اصل میں انسانیت کا نام تابندہ کیا

اک طرف تھے ظلم کے تیر اک طرف مظلوم تن
اک طرف پانی پہ قبضہ اک طرف پیاسہ دہن
اک طرف عیش و مسرت اک طرف رنج ومحن
تھا مقابل کفر کے ایمان کا جو بانکپن
راہِ عرفاں میں وہی تو بانکپن کام آ گیا
زندۂ جاوید ہوجانے کا پیغام آ گیا

انکا یہ شعر بھی مشہور ہے

وقارِ خونِ شہیدانِ کربلا کی قسم
یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے

۵۔بام دیو، رشیؔ پٹیالوی

رشی پٹیالوی ۲۶ جنوری ۱۹۱۷ء کو بسی کلاں ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔وہ ایسے شاعر ہیں جنہوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔انکے ذوقِ سخن کو سنوارنے میں جوشؔ ملسیانی اور نسیم نورمحلی نے خاص کردار ادا کیا۔انکے سات شعری مجموعے منظرِ عام پر آئے۔رشی پٹیالوی کے سرمایۂ سخن میں حمد ونعت وسلام بھی شامل ہیں۔نمونہ کلام پیش ہے۔

زرّیں ورق رقم ہے حکایت حسین کی
میدانِ کربلا میں شہادت حسین کی
سینہ سپر کھڑے تھے جو لشکر کے سامنے
لشکر دھواں دھواں تھا بہتّر کے سامنے
تھی سرفرازِ رزمِ شہادت حسین کی
لیتا نہیں ہے نام بھی کوئی یزید کا
وردِ زبانِ خلق ہے نوحہ شہید کا
ذی شان وذی مقام ہے شہرت حسین کی
اہلِ ہنود کو بھی رشیؔ احترام ہے
وہ نام ہے جو دہر میں عالی مقام ہے
ہر کوئی مانتا ہے کرامت حسین کی
زرّیں ورق رقم ہے حکایت حسین کی

۶۔کالیداس گپتا، رضا

کالیداس گپتا کی ولادت ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء کو سکندر پور ضلع جالندھر میں ہوئی۔انہوں نے اردو اور فاسی میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور منشی فاضل کیا۔انگریزی کیمبرج یونیورسٹی میں سینئر سرٹیفیکیٹ تک پڑھی۔انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف وتحقیق پر بھی کام کیا۔۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۸ء کے دوران ان کے بہت سے شعری مجموعے اور دوسری کتب شائع ہوئیں۔ان کے فکر وفن پر دہلی سے شائع ہونے والے سہ ماہی 'تناظر' نے سات سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل رضاؔ نمبر ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ڈاکٹر راہی قریشی نے کرناٹک یونیورسٹی سے 'کالیداس گپتا۔حیات اور کارنامے' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ان کے مجموعے 'شورِ غم' میں اہلِ بیت سے متعلق انکے کلام میں سے نمونہ کلام پیش ہے۔

اے حسین ابنِ علی شانِ محمد
تجھ سے سرسبز ہے بستانِ محمد
تو نگہ دار ہے تسلیم و رضا کا
اک نظر ہم پر بھی اے جانِ محمد
اے شہیدِ رہِ حق، شانِ رسالت کا پیام
بائے صدق و صفا، عزم وشجاعت کے امام
اے حسین آلِ نبی، ابنِ علی، ذبحِ عظیم
عالم شعر سے منظور ہو شاعر کا کلام

ہر طرف فوجِ عدو کے دَل نظر آنے لگے
موت کے بادل سرورِ زیست پہ چھانے لگے
سازِ ایمانی کے سارے تار تھرّانے لگے
وہ حسین ابنِ علی باطل سے ٹکرانے لگے
اک طرف چھوٹا سا کنبہ ہے مجسم فکر وغور
اک طرف فوجوں کا پرچم انتہائے جبر وجور
السلام اے شاہِ دوراں، السلام اے شاہِ دیں
السلام ابنِ پیمبر اے امامت کے امیں
السلام اے دشمنی سے دور الفت کے قریں
السلام اے مرکزِ علم و عمل صد آفریں
واقعی شبیر نے اپنے لہو سے اے رضاؔ
عصمتِ اسلام کے جامے کو رنگیں کر دیا

۷۔پی۔پی۔شریواستوا، رندؔ

ان کی پیدائش ۱۵ جون ۱۹۳۳ء کو فتح گڈھ ضلع فرخ آباد میں ہوئی۔انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور سرکاری افسر رہے۔'راشٹریہ سہارا' دہلی میں بھی مینیجر رہے۔شعروادب کے فروغ میں آپنے نمایاں کردار ادا کیا۔۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۵ء تک آپکے آٹھ شعری مجموعے شائع ہوئے۔ان کے دو سلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

اُمت کے پاسباں ترے افکار کو سلام
اے جاں نثارِ دیں ترے ایثار کو سلام
باطل کا زور ٹوٹ گیا جسکے رو برو
اس حق پرست صاحبِ کردار کو سلام
اسلام کو حیاتِ دوامی جو دے گیا
خوں میں نہائے اس سپہ سالار کو سلام
اوصاف جسکو شیرِ خدا کے ہوئے نصیب

جس پر تمہاری چشمِ کرم ہوگئی حسین
بخشی اسی کو تم نے نئی زندگی حسین
دل میں، جگر میں، روح میں اک روشنی سی ہے
صدیوں سے کر رہے ہیں مری رہبری حسین
اس دور میں یزید تو ہیں سیکڑوں مگر
محسوس ہو رہی ہے تمہاری کمی حسین
خوشبو سے انکی مہکا ہوا ہر نفس ہے رندؔ
ایماں کے گل کدوں میں بسی تازگی حسین

۸۔جوالا پرشاد نگم، روشؔ لکھنوی

جوالا پرشاد نگم لکھنؤ کے معزز کائستھ گھرانے میں ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔شعروادب کا شوق بچپن سے تھا۔ان کے سلاموں کا مجموعہ ادارۂ 'پیام اسلام' نے شائع کیا۔سلاموں اور نوحوں کا دوسرا مجموعہ 'اچھوتے آنسو' ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔اسکے بعد انکا مجموعہ 'منزلِ شہادت' شائع ہوا۔۷ مئی ۱۹۷۸ء کو انکا انتقال ہوگیا۔انکے مختلف سلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

قتل گہہ کو سنوار آئے حسین
چڑھ کے نیزے پہ مسکرائے حسین
دین و دنیا ہیں انکی مٹھی میں
اور کونین زیرِ پائے حسین
بجلیاں لپکیں خیر مقدم کو
کربلا میں روشؔ جب آئے حسین

وہ کربلا کے نظارے نظر سے گزرے ہیں
لہو میں غرق ستارے نظر سے گزرے ہیں
جہاں نصیب نہ پانی ہوا شہیدوں کو
وہیں فرات کے دھارے نظر سے گزرے ہیں
شہید ہوگئے رن میں جو اکبر و قاسم
وہی فلک کے ستارے نظر سے گزرے ہیں
نوکِ نیزہ پر سرِ شبیر دنیا دیکھ لے
عظمتِ قرآں کی یہ تفسیر دنیا دیکھ لے
خون ایوانوں کی بنیادوں میں شامل کر دیا
دین کی ہوتی ہے یوں تعمیر دنیا دیکھ لے
سجدۂ خالق میں سر اپنا جھکائے ہیں حسین
دشمنوں کے آرہے ہیں تیر دنیا دیکھ لے
سُرخیٔ رنگِ شفق ہے بے گناہی کی دلیل
خونِ اصغر کی روشؔ تاثیر دنیا دیکھ لے

۹۔لالہ شگن چند، روشؔ پانی پتی

یہ ۱۸۹۴ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ذریعہ معاش وکالت تھا۔شاعری کے علاوہ ڈرامہ نویسی اور اسٹیج پر اداکاری بھی انکے مشاغل میں شامل تھے۔سلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

روتے ہیں تیری یاد میں اہلِ وفا حسین
زینب کی ماں کے لاڈلے اے بے خطا حسین
لکھ لکھ کے تُو نے خونِ تمنا کی داستاں
آلِ نبی کے نام کو چمکا دیا حسین
پیاسے بلائے جائیں گے محشر میں جس گھڑی
کوثر کے جام دینگے شہِ کربلا حسین
تُو نے شہید ہوکے جفا کو مٹا دیا
روشن ہے تیرے نام سے نامِ وفا حسین

۱۰۔اوم پرکاش، زارؔ علّامی

یہ ضلع انبالہ کے موضع سڈھارا میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔طبّیہ کالج سے ۱۹۴۲ء میں طبّی سند حاصل کی۔شعرو ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔عروض پر قدرت حاصل تھی۔فنِ عروض سے متعلق ایک کتاب 'کلیدِ عروض' کے نام سے شائع کی تھی۔کلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

اے حسین ابنِ علی عالی امم
اے شہیدِ کربلا شاہِ اُمم
جان دے کر آپ نے سلجھا دئے
کاکلِ حقّانیت کے پیچ و خم
آفریں صد آفریں یہ حوصلہ
ہنس رہے ہیں زیرِ شمشیرِ ستم
پائے استقلال میں لرزش نہیں
ہر قدم ہے کس قدر ثابت قدم
اکبرو اصغر نے اپنے خون سے
داستانِ کربلا کی ہے رقم
مٹ نہیں سکتے کبھی نقشِ وفا
شمع بن کر چمکیں گے داغِ الم

۱۱۔بلونت کمار، ساگرؔ نکودری

یہ ضلع جالندھر کے قصبہ نکودر میں ۲۴ دسمبر ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔تحریکِ آزادی میں سرگرمی سے حصہ لیا اور کئی بار جیل گئے۔۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو انکا انتقال ہوگیا۔انکے سلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

اللہ رے وہ جلال وہ جلوہ حسین کا
مانا تھا دشمنوں نے بھی لوہا حسین کا
تپتی زمیں، دھوپ کی شدّت، ہوا بھی گرم
بہتا تھا خون بن کے پسینہ حسین کا
الفت تھی جب بھی سارے جہاں کو حسین سے
شیدا ہے اب بھی سارا زمانہ حسین کا

۱۲۔لچھمن نارائن شریواستوا، سخاؔ میرٹھی

سخاؔ میرٹھی نے گریجویشن کرنے کے بعد ملازمت اختیار کرلی تھی۔وہ جے پور میں عہدۂ فوجداری پر مامور تھے یہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ان کا مجموعۂ کلام 'معراجِ عقیدت' ان کے پوتے پروفیسر اقبال نارائن شریواستوا، وائس چانسلر بنارس ہندو یونیورسٹی کی کوششوں سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔سخاؔ میرٹھی امام حسین سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔مختلف سلاموں کے چند اشعار پیش ہیں

دے کے سر ایماں پہ یہ ایماں پہ احساں کر دیا
مجرئی شبیر نے ایماں کو ایماں کر دیا
شاہِ دیں کے روضۂ اطہر کے جلوے دیکھئے
کربلا کو غیرتِ گلزارِ رضواں کر دیا
شکر ہے اللہ کا بخشا ہمیں دردِ حسین
درد کیا بخشا ہمیں دراصل درماں کر دیا
پڑھکے آیا ہے سلام اللہ رے شانِ قبول
جانتے بھی ہو سخاؔ کو کس نے نازاں کر دیا

۱۳۔سروجنی نائیڈو

یہ ۱۳ فروری ۱۸۷۹ء کو ریاست حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں۔انہیں ایک معروف شاعرہ اور قوم پرست رہنما کے طور پر جانا جاتا ہے۔انگریزی میں شاعری کے انکے تین مجموعے منظرِ عام پر آئے جن سے انہیں بہت شہرت ملی۔انکی شاعری میں مختلف اوزان، اور گہرے تصورات موجود ہیں۔انکا فنِ خطابت بھی شاعری سے کچھ کم نہ تھا۔تحریکِ آزادیٔ ہند میں انکی تقاریر نے بہت متاثر کیا۔انہیں 'بلبلِ ہند' کے خطاب سے بھی نوازہ گیا۔ملک کی آزادی کے بعد وہ اتر پردیش کی پہلی گورنر مقرر ہوئیں۔ ۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔انہوں نے امام حسین کی شہادت پر انگریزی میں ایک نظم 'The night of martyadon' کے عنوان سے لکھی جسکا اردو میں منظوم ترجمہ مولانا صفی لکھنوی نے 'شبِ شہادتِ عظمیٰ' کے عنوان سے کیا ہے۔چند اشعار پیش ہیں۔

ہائے حسین بے وطن، ہائے حسین بے کفن
پیارولی حق نما، تیرے محب با صفا
روتے ہیں جو ہزار ہا اسکا سبب نہیں کھلا
تیری وہ سرفروشیاں، تیری بہادرانہ شاں
جس کی نہیں کوئی مثال، گاڑ گیا وہ اک نشاں
جد سے وراثتاً ملی، دولتِ دینِ بے زوال
مایہ ابتہاجِ خلق، عشقِ خدائے لایزال
عاشقِ ربِ مشرقین کشتہ تشنہ لب حسین

۱۴۔جگدیش سہائے، سکسینہ شاہجہانپوری

یہ ۴ مارچ ۱۹۰۴ء کو شاہجہانپور میں پیدا ہوئے۔اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔الہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۲۶ء میں بی،اے، اور پھر ایل۔ایل۔بی۔کی ڈگری حاصل کرکے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔دورانِ تعلیم شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں غزل کہی اور پھر نظمیں کہنے لگے۔انکا مجموعہ کلام 'آب ورنگ' کے نام سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔۲۷ ستمبر ۱۹۸۲ء کو موت سے ہمکنار ہوئے۔انکے مرثیہ کے چند بند پیش ہیں۔

تھی کربلا میں فوج لعینوں کی بے شمار
چاروں طرف سے نہر کو گھیرے تھے نابکار
چھوٹا سا قافلہ تھا ادھر خستہ و نگار
ہر شخص تھا پیاس کی شدت سے بے قرار
سب سے بُرا مگر علی اصغر کا حال تھا
ہونٹوں پہ بھی زبان پھرانا محال تھا

بانو کے روئے زرد پہ بکھرے ہوئے تھے بال
اپنی ذرا نہ فکر تھی، بچّوں کا تھا خیال
ہر بار پوچھتی تھیں سکینہ سے اسکا حال
اصغر کو دیکھ دیکھ کے کہتی تھیں، میرے لال
غافل ہیں کس لئے ذرا آنکھیں تو کھولئے
کیسا ہے جی خدا کے لئے منہ سے بولئے

روشن ترے قدم سے ہوئی رہ گزارِ حق
تو نے دیا زمانے کو ایثار کا سبق
منّت پذیرِ خونِ شہیداں ہوئی شفق
رنگ آج تک ہے چہرۂ ظلم وستم کا فق
آنسو بہائے غم میں ترے خاص وعام نے
چوما تری لحد کو بقائے دوام نے

۱۵۔للتا پرشاد، شادؔ میرٹھی

للتا پرشاد ۱۸۸۵ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔انکے والد منشی جنگ بہادر جنگؔ میرٹھی بھی اپنے زمانے کے مشہور صاحب دیوان شاعر تھے۔یہ اردو اور فارسی پر اچھا درک رکھتے تھے۔'ناظم الہند' اور رسالہ 'دلشاد' ان کی ادارت میں نکلتے تھے۔انہوں نے سلام اور نعت کے علاوہ مرثیہ بھی لکھے۔انکے مجموعے کلام 'جذباتِ شادؔ' 'بقائے سخن' 'پنجۂ پنجتن' اور 'نالۂ دل خراش' شائع ہوئے۔۲ نومبر ۱۹۵۹ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔مرثیہ کے چند بند مختلف موضوع پر پیش ہیں۔

گھوڑا۔

اشہب سرِ مقتل اِدھر آیا اُدھر آیا
کرتا ہوا چھل بل اِدھر آیا اُدھر آیا
اللہ رے کس بَل اِدھر آیا اُدھر آیا
بجلی تھا کہ کوتل اِدھر آیا اُدھر آیا
یوں جاتا تھا وہ بادِ صبا جاتی ہو جیسے
گلشن میں دبے پاؤں ہوا جاتی ہو جیسے

تلوار۔

گردن پہ ابھی تھی ابھی سر کاٹ رہی ہے
وہ دیکھئے آنکھوں میں نظر کاٹ رہی ہے
پہلو میں نہیں دِل تو جگر کاٹ رہی ہے
کٹ سکتی نہیں عمر مگر کاٹ رہی ہے
جن کو تھی امید کہ سو سال جئیں گے
کہنے لگے واللہ نہ فی الحال جئیں گے

رابطہ۔ ۹۴۵۰۹۳۱۸۶۲

عزاداریِ امام حسینؑ دہشت گردی اور ظُلم کے خلاف بیداری کا مرکز

سید قمر عباس قنبر نقوی سرسوی

تاریخ اسلام کا سب سے افسوسناک اور کربناک واقعہ "ظلمِ کربلا" ہے۔ حضرتِ مُرسلِ اعظم کی وفاتِ کو ابھی پچاس (50) برس ہی گزرے تھے کہ خود ساختہ خلیفہ یزید ابن معاویہ قوانین شریعت کا مذاق اڑانے لگا، اسلامی احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی شروع کردی اور پھر امام حسین سے بیعت کا مطالبہ بھی کر دیا، وارث پیغمبر امام حسین کی بیعت کا مطلب تھا یزید کے غلیظ ونجس کرتوتوں کی حمایت اور اصل دین اسلام کا خاتمہ۔ امامِ حُسین یہ کیسے برداشت کر لیتے چناچہ دینِ اسلام کی بقا کے لئے امام حسین نے اپنی، آپنے بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، بیٹوں، اعزاء واصحاب کی قربانی قبول کی لیکن یزید جیسے فاسق وفاجر کے سامنے سر جھکانا قبول نہیں کیا۔ ٭آج امامِ حُسین کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے رہبرِ معظم آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای (حفظ اللہ) نے دنیا کے سب سے بڑے دہشت گردوں کے آگے نہ جھک کر پوری دنیائے اسلام کا وقار بلند کیا ہے۔

61 ہجری، ماہِ محرم الحرام، یوم عاشورہ، وہ المناک دن تھا جب یزید ملعون ابنِ معاویہ کے حکم پر پیغمبرِ اکرم ﷺ کے نواسے، امیر المومنین حضرت علیؑ وسیدۃ نساء العالمین فاطمہ زہراؑ کے فرزند امام حسین اور آپ کے عزیز واقارب پر ایسی دہشت گردی اور ظلم وبربریت کا مظاہرہ کیا گیا کہ آسمان وزمین، جن وانس اور کائنات کا ذرہ ذرہ غم وسوگ میں ڈوب گیا۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حسین اور حسینیوں نے دینِ اسلام کی بقا کے لئے اس ظُلم وجبر کے سامنے یقین اور ثبات قدمی جو مظاہرہ کیا ہے، اُسکی نظیر و مثال تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔

کربلا کوئی حادثہ نہیں: بلکہ یہ تاریخ اسلام وانسانیت میں عدل وحق کے قیام کی سب سے بلند آواز ہے۔ جب فاسق وفاجر یزید ملعون نے غاصبانہ تخت وتاج کے نشے میں دینِ اسلام کو ظلم، جبر، فحاشی، اور دہشت گردی کے نظام میں بدلنے کی ناکام کوشش کی، اور فرزندِ پیغمبرِ اکرم حضرت امام حسین سے بیعت طلب کی، تب امام حسینؑ نے اُس منحوس و غلیظ نظام کے خلاف قیام کیا۔ آپؑ نے فرمایا:

مثلی لایبایع مثلہ" (مجھ جیسا، اُس جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا)

یہ اعلان صرف اُس وقت کی ظالم حکومت کے لیے نہ تھا بلکہ ہر دور کے ظالم اور دہشت گردانہ نظام کے لیے چیلنج تھا۔ جسکی زندہ مثال آج جمہوریہ اسلامی ایران ہے۔ جنھوں نے ثابت کردیا کہ دینِ اسلام کے اصل پیروں کار اور پیارے نبی اکرم کا اُمتی وہ ہی ہے جو اللہ پر بھروسہ، شہادت وآخرت پر مکمل یقین واطمینان اور جان کی پروا کیے بغیر ظالموں اور دہشت گردوں کے مقابلے میں پوری طاقت کے ساتھ ڈٹ جائیں تو فتح ونصرت، کامیابی وکامرانی اور حیاتِ جاودانی انہی کو نصیب ہوتی ہے۔

شہادتِ امام حسین کی یاد میں محبان اہل بیت رسول اکرم ہر سال ماہ محرم وصفر میں خصوصیت کے ساتھ سوگ وعزاداری اور قاتلان امام سے بیزاری کرتے ہیں امام حسین کی قُربانی کی یاد میں برپا ہونے والی عزاداری یعنی یہ مجالس، جلوس اور تبرکات محض گریہ وماتم کا نام نہیں، بلکہ یہ شعائر الٰہی ہیں اور شعائر الٰہی کو زندہ رکھنا ہماری شرعی اور دینی ذمہ داری ہے۔عزاداری امام حُسین ہر عاشق اہل بیت کو ظالم اور دہشت گرد کے خلاف ایک صف میں لاکھڑا کرتی ہے۔محبان امام حسین ہر سال عزاداری امام حسین کے ذریعے پوری دُنیا میں حق کی حمایت اور ظلم ودہشت گردی سے بیزاری اور انسانی غیرت کو بیدار کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔

عزاداری امام حسین: اور کربلا مظلومین کو یہ درس بھی دیتی ہے کہ ظالم اور دہشت گردوں کے مقابلے میں اللہ کی ذات پر توکل کر کے میدان میں اُتر جاؤ دیکھو ظالم اور دہشت گردوں کے مقابلے اپنی تعداد کو کم دیکھ کر مایوس ہرگز نہ ہونا۔مظلومین کی حمایت اور حق کی طرف داری کے لیے نکل پڑو اللہ تمہارے معمولی اسلحوں کو وقت کے سب سے بڑے اسلحے سے بھی طاقتور بنادے گا بس ضرورت ہے کوشش، حوصلے اور احساس ذمہ داری کی ۔جو ہمیں کربلائیوں اور حسینیوں سے ملے گا۔

عزاداری امام حسین دہشت گردی: کے ہر روپ کا خاتمہ کرتی ہے، چاہے وہ مسلکی بنیاد پر ہو، چاہے مذہب کے نام پر ہو، چاہے حکومت کی صورت میں ہو، عزاداری میں شریک ہر فرد یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم مظلوم کے ساتھ کھڑے، ہم ظلم سے نفرت کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ظُلم فلسطین میں ہوتا ہے جہاں کی کل آبادی سنّی مسلمانوں پر مشتمل، مگر میدان میں ایران آیا، ظُلم کا شکار پارہ چنار کے مظلوم ہوئے صدائے احتجاج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عزدران حسینؑ نے کیا، چونکہ عزاداری دہشت گردی اور ظُلم کے خلاف ایک مستقل تحریک ہے۔امام حسینؑ کی شہادت کا مقصد اور پیغام عزاداری کی صورت میں آج زندہ ہے۔

عزاداری امام حسین: بیداری، شعور اور مزاحمت کی علامت ہے۔ یہ جذبۂ حریت ہے جو مجالس، جلوس، نوحہ، مرثیہ، ماتم تبرکات کی شکل میں یزیدیت کے خلاف ہر زمانے میں قُربانی امام حسین کے نتیجے میں جاری و ساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہشت گرد عناصر آج بھی عزاداری کو نشانہ بناتے ہیں، کیونکہ اُنہیں معلوم ہے کہ عزاداری وہ محاذ ہے جہاں سے دہشت گردی اور ظلم کے خلاف سب سے مضبوط آواز اُٹھتی ہے۔

عزاداری امام حسین عقیدت کا عظیم اور طاقتور مرکز ہے جہاں ایک طرف ظُلم ودہشت گردی کے خلاف آواز بلند ہوتی ہے تو وہیں سے انسان دوستی، بھائی چارے، اتحاد اور محبت کا پیغام بھی دیا جاتا ہے۔ چونکہ امام حسینؑ کی تحریک کسی مخصوص قوم، مسلک یا ملک کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔٭ یہاں تک کہ ہندوستان کے وزیر اعظم نریندر مودی جی نے حضرت امامِ حُسین کو عدل وانصاف کا علمبردار قرار دیتے ہوئے "٭ امام حُسین ہمیشہ نا انصافی کے خلاف سینہ سپر رہے، اور امن و اِنصاف کی سربلندی کے لئے جامِ شہادت نوش کیا، وزیر اعظم نے کہا امام حُسین کی تعلیمات آج بھی اُتنی ہی افادیت کی حامل ہیں جتنی کل تھیں۔

(14 ستمبر 2018، داؤدی بوہرہ جماعت، اندور)

آیئے، ہم سب مل کر اس تحریک کو مزید بیداری، شعور اور امن کے پیغام کے ساتھ جاری رکھیں تاکہ دنیا کو امام حسین کا یہ پیغام یاد رہے کہ "اگر دین محمدؐ، میرے خون کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو! آؤ اور مجھے ٹکڑے ٹکڑے کردو! عزاداری امام حسین: میں ہر قوم، ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ شریک ہوکر دہشت گردوں اور ظالموں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ حسینؑ اور حسینی سب کے ہیں، حسینیوں کے مدمقابل جو بھی وہ یزیدی ہے اور یزیدی فکر اسلام اور انسانیت کی مخالف ہے۔

عزاداری امام حسین: محض رسومات کا نام نہیں بلکہ ایک فکر، ایک مشن اور ایک مزاحمتی تحریک ہے۔ یہ ہر زمانے کے یزید کے خلاف اعلانِ بیزاری ہے، ہر وہ فرد جو ظُلم کے خلاف کھڑا ہے، امام حسین کا پیرو ہے۔

آیئے ہم سب ملکر کربلائی مشن بیداری، شعور، اتحاد اور انسان دوستی کے ساتھ آگے بڑھیں۔

9811413089۔نئی دہلی

موجودہ معاشرے کو کردار حضرت زینبؑ کی ضرورت

ڈاکٹر شجاعت حسین

کیوں نہ کریں جی کھول کے مدحت زینب (س) کی
کام بہت آئی ہے الفت زینب (س) کی

اگر اسلامی تاریخ میں سن 61 ہجری کا مطالعہ کیا جائے تو حضرت زینبؑ، بضعت مصطفیٰ لخت جگر فاطمۃ الزہراؑ، دختر شیر خدا اور نواسیٔ رحمۃ للعالمین کا بڑا سخت ترین وقت رہا ہے، وہاں ایک محقق، مصنف، محدث، صحافی یا مورخ کے لیے بھی سیرت زینب پر قلم کاری آسان نہیں کیونکہ ان کے مصائب ہی فضائل و کمال ہیں۔ اتنی فصیح و بلیغ شخصیت جن کا احاطہ ایک مقالہ میں پیش کرنا اسی مثال کے مترادف ہے کہ سمندر کو کوزہ میں ڈالنا۔ کسی ایک پہلو پر بھی روشنی ڈالنا ممکن نہیں۔ یہ مشکل صورت حال خطبا و ذاکرین کو بھی سدا درپیش رہتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دختر شیر خدا توحید کی بقا کے لیے قربان ہو گئیں لیکن آج 1447 ہجری تک کوئی عالم، فاضل، ذاکر، محقق، مورخ، دانشور یا ادیب انہیں اور اک انسانی کی حد تک بھی جامع خراج تحسین پیش کرنے سے قاصر رہا ہے اور ابھی کتنا وقت درکار ہے یہ معین کرنا مشکل ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابوطالبؑ کی بیٹی، زینبؑ نے بعد شہادت سید الشہداؑ جو کمال و فضائل کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے بازار شام اور دربار یزید (ملعون) میں مظاہرے کئے ان کارناموں سے عرب کے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ یہ معلومات ایک معروف علامہ نے دی۔ وہ تحقیق و تدریس کے لیے مصر کی ایک مشہور یونیورسٹی میں ممتاز مفکر و فلسفی، تنتاوی، طریقت سے ملاقاتیں کیں، جنھوں نے صحیفۂ کاملہ کا پیش لفظ لکھا، اور اس کو زبورِ آلِ محمد قرار دیا ہے، مزید کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی نے یزید ابن معاویہ (لعنت اللہ) کی 38 لاکھ مربع کلومیٹر میں پھیلی حکومت کو محض دو سال نو مہینوں میں ختم کر دی۔ شہزادی نے صرف دو محاذ قائم کئے: داخلی اور معاشی۔ معاشی بحران پیدا کیا۔ وہ یوں ہوا کہ ملکۃ العرب، خدیجۃ الکبریٰؑ کی زندگی کے دوران روم سے تجارتی معاہدہ عمل میں آیا تھا جسے ذہانت سے منسوخ کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درآمدات و برآمدات مفلوج ہو گئے، یزید کی حکومت کا دیوالیہ ہو گیا اور داخلی محاذ پر زینبؑ کی عزاداری، خطبے، کربلا کے مقصد و پیغام کی تشہیر نے مضبوط، منظم، ظالم و فاسق حکومت کو نیست و نابود کر دیا۔

شام کی طاقت ساری سپرد خاک ہوتی
کتنی دھمک رکھتی ہے خطابت زینب (س) کی

سید الشہداء کی بہن، شیر خدا کی بیٹی، حضرت زینب نے توحید کی چھاؤں میں، رسالت کی آغوش میں، عصمت و طہارت کی گود میں اور پانچ اماموں کے ماحول میں زندگی گزاری۔ قارئین اور عزاداران سید الشہداؑ آپؑ دونوں کو توحید میں تلاش کریں، رسالت میں ڈھونڈیں، سیدہ عالمیانؑ کی حیات مقدسہ میں تلاش کریں، مدینۃ العلم و سلونی سلونی کے لہجے میں مشاہدہ کریں، مظہر شجاعت حیدر کرار ہیں، حکمت صلح حسنؑ میں دیکھیں، آپؑ کے صبر، شکر و قربانی حسین علیہ السلام میں موجزن پائیں گے۔ تفسیر، تقریر، تحریر و تدریس کے میدان میں لاثانی تھیں۔ تدریس، درس گاہِ زینب ہے۔ اس درس کا سلسلہ آپ نے اپنی والدۂ ماجدہ کے دوران ہی آغاز کر دیا تھا۔ (مراقد اہل بیت درشام از سید احمد فخری (صفحہ 68)

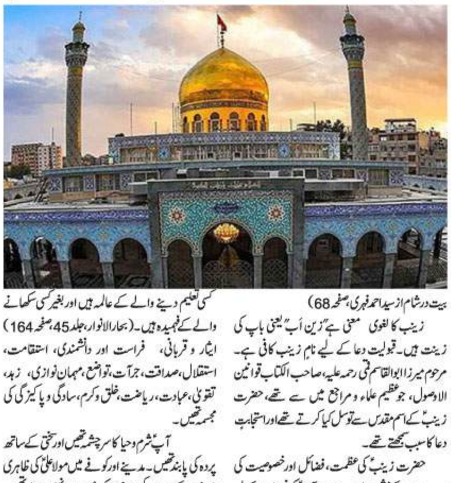

زینب کا لغوی معنی ہے "زین اَب" یعنی باپ کی زینت ہیں۔ قبولیت دعا کے لیے نام زینب کافی ہے۔ مرحوم میرزا ابوالقاسم قمی رحمہ علیہ، صاحب الکتاب قوانین الاصول، جو عظیم علماء و مراجع میں سے تھے، حضرت زینبؑ کے اسم مقدس سے توسل کیا کرتے تھے اور استجابت دعا کا سبب سمجھتے تھے۔

حضرت زینبؑ کی عظمت، فضائل اور خصوصیت کی وجہ سے ان کے مشہور القاب ہیں جو آپؑ کی فضیلت و کمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں: عارفہ، عالیہ، معظمہ، ولیہ، عالمہ غیر معلمہ، فاضلہ، امینہ، نائبۃ الزہرا، نائبۃ الحسین، عابدہ، عقیلۃ النساء، عقیلہ بنی ہاشم، شریکۃ الشہداء، بلیغہ، فصیحہ و شریکۃ الحسین۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: اے پھوپھی جان! آپ (اللہ کے فضل سے) بغیر کسی تعلیم دینے والے کے عالمہ ہیں اور بغیر کسی سکھانے والے کے فہمیدہ ہیں۔ (بحار الانوار، جلد 45، صفحہ 164) ایثار و قربانی، فراست اور دانشمندی، استقامت، استقلال، صداقت، جرآت، تواضع، مہمان نوازی، زہد، تقویٰ، عبادت، ریاضت، خلق و کرم، سادگی و پاکیزگی کی مجسمہ تھیں۔

آپؑ شرم و حیا کا سرچشمہ تھیں اور سختی کے ساتھ پردہ کی پابند تھیں۔ مدینے اور کوفے میں مولا علیؑ کی ظاہری خلافت کے دوران کسی نامحرم کی نگاہ ان پر نہیں پڑی تھی۔ (تنقیح المقال، جلد 3، صفحہ 79) بشیر ابن حزیم اسدی کہتا ہے کہ خدا کی قسم، میں نے ایسی باعفت اور باحیا عورت کو نہیں دیکھا جو اتنے مستحکم انداز سے عوام سے خطاب کرے۔ (احتجاج طبری، جلد 2، صفحہ 109)

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

یزید اور یزیدیوں کو یہ خبر ہی نہ تھی اور نہ شعور تھا کہ حسین علیہ السلام کی بہن زینبؑ، حسینؑ کے ہمراہ آ رہی ہیں جیسا کہ فرعون اور فرعون والوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا اور نہ شعور تھا کہ موسیٰ کے ساتھ موسیٰ کی بہن بھی آ رہی ہے (سورۃ قصص 11:28)

شہزادی مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کربلا، شب عاشور، روز عاشور، عصر کا ہنگام، بعد قتل شہدائے کربلا، شام غریباں، یتیم بچوں کی پاسبانی، پامال و بے سر لاشوں کے درمیان، کوفہ، دربار ابن زیاد، قادسیہ، تکریت، وادیٔ نخلہ، موصل، نصیبین، عین الورد و دعوات، معرۃ النعمان، شیراز، سیبور، حماۃ، حمص، بعلبک، بازار شام، دربار یزید اور زندان میں شانہ بہ شانہ رہیں۔ صبر، شکر، لب و لہجہ، علم و عمل گویا ہر مقام پر یکسانیت، خیر النساء کی دو آنکھیں ہوں۔ دختر فاتح خیبر و خندق نے دربار یزید نیست و نابود کیا۔ یزید کے تخت کو ایسا غرق کیا کہ یزید کی نشانی ہی ختم کر دی اور جو یزیدی اس کی نشانی تلاش کرتا رہا وہ بھی گمراہی کی تاریکی میں غرق ہوتا رہا:

چراغ را کہ ایزد برفروزد
کسے گر پف کند، ریشش بسوزد

زینبؑ کی کل طاقت زبان میں سمٹ آئی تھی، وہ نہ نبی ہیں نہ امام لیکن ولیہ ہیں، اسیری و بیکسی میں بھی نہایت عزم و ہمت کے ساتھ دربار یزید میں داخل ہوئیں، جہاد باللسان کر کے محاذ فتح کیا۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ جو ان کے مصائب ہیں وہی تو فضائل و کمال ہیں۔ زینب (س) کے خطبوں کے ان جملات سے ایک درس یہ بھی ملتا ہے کہ کسی بھی گفتگو کا موقع و محل کے مطابق ہونا ضروری امر ہے کیونکہ کوئی بھی گفتگو اس وقت موثر ہوتی ہے جب وہ اپنے موقع و محل کے مطابق ہو، لہٰذا ہر خطیب کا موقع شناس ہونا ضروری ہے۔

قارئین و عزادار ذہن نشین کریں کہ حضرت علی علیہ السلام کے لب و لہجہ میں خطبے دیئے باوجود اس کے زینبؑ میں اعتماد، لیاقت، ذہانت، صلاحیت، شعور، متنوع ترسیل، سامعین، درباری اور عدو و اغیار کا علم، صداقت، پر جوش ترسیل، خود آگاہی، خود کی بہتری، کلیدی پیغام کی سمجھ، آواز سے آگاہی، ممکنہ شعبوں کی سمجھ، موضوع پر گرفت، زبردست اور اثر انگیز الفاظ، قرآن اور اس کی تفسیر سے آشنائی وغیرہ اہم ہیں جو ان میں پنہاں تھیں جو ہر خطبہ سے عیاں ہے، واقعی میں خصوصیات سے مزین تھیں۔

خطبہ زینب (س) سن کے ہر اک یہ سوچے ہے
ہے یہ علی کی یا کہ خطابت زینب (س) کی

حضرت زینب (س) بنت فاطمۃ الزہرا (س) کا کردار و عمل، عظمت فضائل و کمالات آئینہ کی طرح ہے جس میں معاشرے کی سبھی خواتین حضرات کو اپنے کردار و عمل کو دیکھنا چاہیے اور موازنہ کی ضرورت ہے کہ یہ غور و فکر کریں کہ آپ ان کے کردار و عمل کے قریب پاتی ہیں یا دور یہ سوچ کر کہ "کہاں وہ اور کہاں میں" حضرت زینب (س) کے کردار کو اپنائیں کیونکہ یہی پیغام کربلا، خوشنودی زینب (س) اور ضامن نجات ہے۔ ہمارے معاشرے کو زینب (س) کے کردار و عمل کی پیروی کی سخت ضرورت ہے۔ اگر معاشرے میں کردار زینب سلام اللہ علیہا کی موجودگی ہے تو فتح یقینی ہے۔

سارے عالم میں ہے بپا شبیر (ع) کا غم
کیا محکم ہے نشر و اشاعت زینب (س) کی

علی گڑھ موبائل 7060888223

☆☆☆☆

اردو مرثیہ گو شعرا کا سائنسی شعور

انجینئر محمد عادل فرازؔ

اردو مرثیہ گوئی ایک ایسی ادبی صنف ہے جو اپنی فکری گہرائی، جذباتی شدت، اور شاعرانہ بلاغت کے لیے مشہور ہے۔ یہ روایت نہ صرف واقعہ کربلا کی عظیم داستان کو بیان کرتی ہے بلکہ اس میں شاعرانہ تخیل، لسانی خوبصورتی، اور فکری وسعت کا امتزاج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ میر انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، جیسے شعرانے اپنے مرثیوں میں نہ صرف مذہبی اور جذباتی موضوعات کو اجاگر کیا ہے بلکہ فطرت، کائنات، اور انسانی شعور کے دیگر پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ یہ ہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، جو اس دور کے علمی ماحول اور شعرا کی فکری وسعت کی عکاسی کرتی ہیں۔

یہ مقالہ بعنوان "اردو مرثیہ گو شعرا کا سائنسی شعور" مرثیہ گو شعرا کے اشعار کی روشنی میں ان کے سائنسی شعور کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ راقم القلم نے اس مضمون اردو مرثیہ کے اشعار میں آئے کائناتی، طبیعیاتی، فلکیاتی، ماحولیاتی، اور نفسیاتی عناصر کے شعور کا جائزہ لیا ہے۔

سائنسی شعور سے مراد وہ فکری رجحان ہے جو مشاہدے، تجربے، اور منطقی استدلال پر مبنی ہیں۔ مرثیہ گو شعرا کے اشعار میں سائنسی شعور کی موجودگی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جدید سائنسی نظریات سے مکمل طور پر آگاہ تھے، بلکہ یہ کہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور فطری مظاہر کو اپنی شاعری میں اس طرح پیش کیا کہ وہ سائنسی سوچ کے قریب تر نظر آتے ہیں۔ ان کے اشعار میں فلکیاتی مظاہر (سورج، چاند، ستاروں، اور سیاروں کے حوالے)، ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی، اور انسانی شعور کے نفسیاتی پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ مقالہ ہر شاعر کے سائنسی شعور کو چار اہم زمرے "فلکیاتی مشاہدات، ماحولیاتی حساسیت، طبیعیاتی بصیرت، اور نفسیاتی مشاہدات" کے تحت تجزیہ کرتا ہے۔

میر انیس کا سائنسی شعور

میر انیسؔ (1803-1874) اردو مرثیہ گوئی کے سب سے عظیم شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری اپنی بلاغت، جذباتی شدت، اور فکری گہرائی کے لیے مشہور ہے۔ ان کے مرثیوں میں واقعہ کربلا کے روحانی اور جذباتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ فطرت اور کائنات کے مشاہدات بھی نمایاں ہیں۔ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں ان کے گہرے مشاہدات اور فطری مظاہر کی شاعرانہ تفہیم سے عیاں ہوتی ہیں۔

فلکیاتی مشاہدات

میر انیس کے اشعار میں فلکیاتی مظاہر کا ذکر ایک شاعرانہ اور سائنسی انداز میں ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

دشت وغا میں نور خدا کا ظہور ہے
ذروں میں روشنی تجلی طور ہے
اک آفتاب رخ کی ضیا دور دور ہے
کوسوں زمین عکس سے دریائے نور ہے

یہ اشعار روشنی کے پھیلاؤ اور اس کی شدت کو بیان کرتے ہیں۔ "نور خدا" اور "دریائے نور" جیسے استعارے روشنی کے کائناتی پھیلاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید فزکس میں روشنی کے نظریے سے مطابقت رکھتا ہے۔ روشنی کا زمین پر اثر اور اس کا عکاسی کا عمل ایک معروف طبیعیاتی مظہر ہے۔ انیس نے اسے شاعرانہ انداز میں پیش کیا، لیکن ان کا مشاہدہ سائنسی حقیقت سے قریب ہے۔ "آفتاب رخ کی ضیا دور دور ہے" سے روشنی کی وسعت اور اس کی کائناتی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، جو فلکیات کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔

اسی طرح، ان کا یہ مصرع:

دریا تو آسماں ہیں ستارے حباب ہیں

یہ مصرع پانی اور روشنی کے درمیان ایک گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ ستاروں کو "حباب" (بلبلوں) سے تشبیہ دینا نہ صرف شاعرانہ خوبصورتی کو بڑھاتا ہے بلکہ پانی کی سطح پر روشنی کے انعکاس کے سائنسی مظہر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو جدید آپٹکس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ پانی کی سطح پر روشنی کا انعکاس اور اس کی چمک ایک ایسی حقیقت ہے جو سائنسی طور پر ثابت شدہ ہے، اور انیس نے اسے اپنی شاعری میں نہایت خوبصورتی سے پیش کیا۔

ایک اور مصرع ملاحظہ کریں:

ذرے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

یہ مصرع زمین پر موجود ذرات کو ستاروں سے تشبیہ دیتا ہے، جو ایک کائناتی تناظر کو پیش کرتا ہے۔ یہ تصور جدید فلکیات کے اس نظریے سے ملتا ہے کہ زمین اور ستارے ایک ہی کائناتی مادے سے بنے ہیں۔ انیس نے اسے علامتی طور پر پیش کیا، لیکن ان کا مشاہدہ سائنسی سوچ سے قریب ہے۔

ماحولیاتی حساسیت

میر انیس کے اشعار میں ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی غیر معمولی ہے۔ وہ فطرت کے عناصر، جیسے ہوائیں، درخت، پھول، اور سبزہ زار، کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے ایک زندہ جیتا جاگتا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر

یہ اشعار ہواؤں کی ٹھنڈک اور درختوں کی حرکت کو بیان کرتے ہیں، جو ایک ماحولیاتی توازن کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہواؤں کا اثر اور درختوں کی حرکت ایک ایسی ماحولیاتی حساسیت کو ظاہر کرتی ہے جو جدید ماحولیاتی سائنس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ انیس نے فطرت کے ان عناصر کو نہ صرف شاعری کا حصہ بنایا بلکہ ان کے ذریعے کربلا کے منظر کی شدت کو بھی اجاگر کیا۔ "دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر" سے درختوں کی حرکت اور ہوا کے اثرات کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا گیا ہے جو ماحولیاتی نظام کے توازن کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

یہ شعر ہوا کے جھونکوں اور پھولوں کے کھلنے کی آواز کو بیان کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ماحولیاتی حساسیت کو ظاہر کرتا ہے جو فطرت کے باریک مشاہدات پر مبنی ہے۔ پھولوں کے کھلنے کی آواز اور ہوا کے اثرات کا ذکر ایک ایسی سائنسی بصیرت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ماحولیاتی نظام کے اندرونی عمل کو سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

طبیعیاتی بصیرت

میر انیس کے اشعار میں طبیعیاتی مظاہر، جیسے گرمی، روشنی، اور حرکت، کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں

یہ اشعار کربلا کے میدان کی گرمی اور پانی کی کمی کو بیان کرتے ہیں۔ "شعلۂ جوالہ" اور "شرر فشاں" جیسے الفاظ گرمی کی شدت اور اس کے اثرات کو ظاہر کرتے ہیں، جو ایک سائنسی مشاہدے کی عکاسی کرتے ہیں۔ پانی کا آگ کی طرح دکھائی دینا اور بلبلوں کا انگاروں سے تشبیہ پانا ایک ایسی شاعرانہ تصویر ہے جو حرارتی توانائی کے اثرات کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی سائنسی حساسیت ہے جو جدید فزکس کے تصورات سے قریب ہے۔

ایک اور شعر دیکھیں:

پانی تھا آگ گرمیٔ روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ شعر پانی کی گرمی اور اس کے اثرات کو بیان کرتا ہے۔ "پانی تھا آگ" اور "ماہی کباب تھی" جیسے الفاظ گرمی کی شدت اور اس کے حیاتیاتی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو حرارتی توانائی اور اس کے ماحول پر اثرات کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نفسیاتی مشاہدات

میر انیس کے اشعار میں انسانی شعور اور نفسیاتی مشاہدات بھی نمایاں ہیں۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور
خوش فکر و بزلہ سنج و ہنر پرور و غیور

یہاں انسانی کردار کی فکری اور نفسیاتی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ "ذی شعور" اور "خوش فکر" جیسے الفاظ انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی گہرائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے قریب ہیں۔ انیس نے انسانی شعور کی ان خصوصیات کو کربلا کے شہدا کے تناظر میں پیش کیا، جو ان کی فکری وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب
سوکھی زبانیں شہد فصاحت سے کامیاب

یہ شعر انسانی تقریر کی فصاحت اور اس کی نفسیاتی طاقت کو بیان کرتا ہے۔ "کتاب بلاغت" اور "شہد فصاحت" جیسے استعارے انسانی دماغ کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی زبان سے اثر ڈالنے کی قوت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔

مرزا سلامت علی دبیر کا سائنسی شعور

مرزا سلامت علی دبیر (1803-1875) اپنی شاعری میں بلاغت اور فکری گہرائی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے اشعار میں فلکیاتی، طبیعیاتی، اور ماحولیاتی مشاہدات کی جھلکیاں ملتی ہیں، جو ان کے سائنسی شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

فلکیاتی مشاہدات

دبیر کے اشعار میں سورج، چاند، اور ستاروں کے حوالے سے گہری بصیرت ملتی ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

خورشید درخشاں میں بتا نور ہے کس کا
کلمہ ورق ماہ پہ مسطور ہے کس کا

یہ شعر سورج اور چاند کی روشنی کی کائناتی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ "خورشید درخشاں" اور "ورق ماہ" جیسے الفاظ نہ صرف شاعرانہ خوبصورتی بڑھاتے ہیں بلکہ فلکیاتی مظاہر، جیسے روشنی کی عکاسی اور اس کی شدت، کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو جدید فلکیات سے ہم آہنگ ہے۔ سورج کی روشنی اور چاند کی عکاسی کے تصورات فلکیات کے بنیادی اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔

ایک مصرع ملاحظہ کریں:

ذرے کو کرے مہر یہ مقدور ہے کس کا

یہ مصرع ذرات اور سورج کی روشنی کے درمیان تعلق کو بیان کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ تصویر ہے جو جدید فزکس کے تصورات، جیسے کہ روشنی کے ذرات پر اثرات، سے قریب ہے۔

ماحولیاتی حساسیت

دبیر کے اشعار میں ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی بھی نمایاں ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

ہر صبح مہر و ماہ کی تو کم ہے روشنی
پر دیکھو ان کے عارضوں کی جلوہ افگنی

یہ شعر سورج اور چاند کی روشنی کے مقابلے میں انسانی حسن کی روشنی کو بیان کرتا ہے، لیکن اس میں فطرت کے عناصر کی خوبصورتی اور ان کے ماحولیاتی اثرات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ "جلوہ افگنی" سے روشنی کے ماحول پر اثرات کو بیان کیا گیا ہے، جو ایک ماحولیاتی حساسیت کی عکاسی کرتا ہے۔

ایک اور شعر دیکھیں:

گرمیٔ حسن مہر سے آب آب ہو گیا
گردوں پہ خشک چشمۂ مہتاب ہو گیا

یہ شعر گرمی اور روشنی کے ماحولیاتی اثرات کو بیان کرتا ہے۔ "آب آب ہو گیا" سے پانی کی کمی اور گرمی کی شدت کو ظاہر کیا گیا ہے، جو ماحولیاتی سائنس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔

طبیعیاتی بصیرت

دبیر کے اشعار میں طبیعیاتی مظاہر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

بجلی گری بجلی پہ اجل ڈر کے اجل پر
اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر

یہ شعر بجلی اور زلزلے جیسے قدرتی مظاہر کو بیان کرتا ہے۔ بجلی کی چمک اور اس کے اثرات کو "زلزلہ" سے تشبیہ دینا ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو طبیعیاتی مظاہر کی شدت کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بجلی کی برقی توانائی اور زلزلے کی ارضیاتی حرکت دونوں ہی سائنسی مظاہر ہیں، اور دبیر نے انہیں شاعرانہ انداز میں پیش کیا۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

سیارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر
خورشید تھا مریخ یہ مریخ زحل پر

یہ شعر سیاروں کی حرکت اور ان کے فلکیاتی مقامات کو بیان کرتا ہے۔ "خورشید تھا مریخ" اور "مریخ زحل پر" جیسے الفاظ سیاروں کی حرکات اور ان کے مقامات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو فلکیاتی مشاہدات سے قریب ہیں۔

نفسیاتی مشاہدات

دبیر کے اشعار میں انسانی شعور کی نفسیاتی خصوصیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

ہر عضو میں ہے دل کی طرح سے خدا کی یاد
قرآن پڑھنا ختم ہے ان پر دم جہاد

یہ شعر انسانی شعور کی روحانی اور نفسیاتی گہرائی کو بیان کرتا ہے۔ "خدا کی یاد" اور "دم جہاد" جیسے الفاظ انسانی دماغ کی جذباتی اور فکری طاقت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہیں۔

میر مظفر حسین ضمیر کا سائنسی شعور

(1777-1855): مرزا سلامت علی دبیرؔ کے شاگرد

میر مظفر حسین ضمیرؔ کے اشعار میں فکری گہرائی اور شاعرانہ تخیل کا امتزاج ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں خاص طور پر انسانی شعور اور کائناتی مشاہدات میں نظر آتی ہیں۔

نفسیاتی بصیرت

ضمیر کے اشعار میں انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی رفتار کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

میں چشم تصور میں لگا کھینچنے تصویر
بس ذہن میں سرعت سے نہ ٹھہرا کسی تدبیر

یہ شعر انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی تیزی کو بیان کرتا ہے۔ "چشم تصور" اور "سرعت" جیسے الفاظ انسانی دماغ کی رفتار اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات اور دماغی علوم سے قریب ہیں۔ ضمیر نے انسانی ذہن کی اس صلاحیت کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا جو کربلا کے تناظر میں فکری وسعت کو ظاہر کرتی ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

جب بندش مضمون میں باندھا دم تحریر
دی کلک نے آواز پری کو کیا تسخیر

یہ شعر تخلیقی عمل اور اس کی نفسیاتی طاقت کو بیان کرتا ہے۔ "دم تحریر" اور "آواز پری کو تسخیر" جیسے الفاظ شاعری کے تخلیقی عمل کو ایک ایسی صلاحیت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو انسانی دماغ کی گہرائی سے نکلتی ہے۔ یہ جدید نفسیات کے تخلیقی عمل کے مطالعے سے ہم آہنگ ہے۔

کائناتی مشاہدات

ضمیر کے اشعار میں کائناتی حسن اور انسانی شعور کی حیرت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

آمد ہی میں حیران قیاس بشری ہے
یہ کون سی تصویر تجلی سے بھری ہے

یہ شعر کائناتی حسن اور انسانی شعور کی حیرت کو بیان کرتا ہے۔ "قیاس بشری" اور "تجلی" جیسے الفاظ انسانی مشاہدے اور کائناتی مظاہر کے درمیان ایک گہرے تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو سائنسی سوچ سے ہم آہنگ ہے، کیونکہ یہ انسانی شعور کی کائنات کو سمجھنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے۔

سید علی میاں کامل کا سائنسی شعور:

سید علی میاں کامل کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں خاص طور پر فطرت اور کائنات کے مشاہدات میں ملتی ہیں۔ ان کے اشعار میں فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فطری تبدیلی

کامل کے اشعار میں فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

میں اگر قصد کروں سنگ کو گوہر کردوں
خار کو فیض لطافت سے گل تر کردوں

یہ شعر فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے۔ "سنگ کو گوہر" اور "خار کو گل" جیسے استعارے کیمیائی اور حیاتیاتی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید سائنس کے تصورات، جیسے کہ مادے کی تبدیلی اور حیاتیاتی ارتقا سے قریب ہیں۔ کامل نے فطرت کی اس صلاحیت کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا جو سائنسی مشاہدات سے ہم آہنگ ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

ذرے کو داغ جبین مہ انور کردوں
شب تاریک کو بے شمع منور کردوں

یہ شعر روشنی اور مادے کے درمیان تعلق کو بیان کرتا ہے۔ "ذرے کو مہ انور" اور "شب تاریک کو منور" جیسے الفاظ روشنی کی تبدیلی کی صلاحیت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید فزکس کے تصورات سے قریب ہیں۔

ماحولیاتی حساسیت

کامل کے اشعار میں ماحولیاتی وسائل اور ان کی اہمیت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کے اشعار دیکھیں:

جو کہوں منہ سے وہی چرخ کہن دے مجھ کو
پنکھڑی پھول کی مانگوں تو چمن دے مجھ کو
طالب مشک اگر ہوں تو ختن دے مجھ کو
سنگریزے کے عوض در عدن دے مجھ کو

یہ شعر فطرت کی فراوانی اور اس کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے۔ "پنکھڑی پھول" اور "مشک" جیسے الفاظ فطرت کے وسائل اور ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو ماحولیاتی سائنس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ کامل نے فطرت کی اس فراوانی کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا جو ماحولیاتی توازن کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

نفسیاتی مشاہدات

کامل کے اشعار میں انسانی شعور کی تخلیقی صلاحیتوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

ذہن سے کہہ دوں تو ہنگامۂ جودت ہو جائے
گنگ کو چاہوں تو مشاق طلاقت ہو جائے

یہ شعر انسانی ذہن کی تخلیقی طاقت اور اس کی صلاحیتوں کو بیان کرتا ہے۔ "ہنگامۂ جودت" اور "مشاق طلاقت" جیسے الفاظ انسانی دماغ کی فکری وسعت اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہیں۔

الغرض اردو مرثیہ گو شعرا، جیسے کہ میر انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، میر مظفر حسین ضمیرؔ، اور سید علی میاں کاملؔ، نے اپنی شاعری میں نہ صرف مذہبی اور جذباتی موضوعات کو اجاگر کیا بلکہ فطرت، کائنات، اور انسانی شعور کے دیگر پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں ان کے گہرے مشاہدات، فطری مظاہر کی سمجھ، اور شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ان کا سائنسی شعور جدید سائنسی نظریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں تھا، لیکن ان کی شاعری میں موجود فلکیاتی، ماحولیاتی، اور فکری عناصر ان کی وسعتِ فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ مقالہ ثابت کرتا ہے کہ اردو مرثیہ گوئی محض ایک مذہبی یا جذباتی صنف نہیں بلکہ ایک ایسی ادبی روایت ہے جو سائنسی مشاہدات اور فکری گہرائی کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ان شعرا کی شاعری ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ادب اور سائنس کے درمیان ایک گہرا تعلق ہو سکتا ہے، اور شعرا کا شاعرانہ تخیل سائنسی شعور کو نئی جہتیں عطا کر سکتا ہے۔

8273672110

ادبیات عرب میں مرثیہ کا آغاز وارتقا

مولانا سید احمد رضا الحسینی کناڈا

نوٹ۔ مضمون کے طول ہونے کی وجہ سے اشعار کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کا خاکہ جستہ جستہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

واقعہ کربلا کے بعد باضابطہ مرثیہ کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کا محور اور ذات حضرت سیدالشہداؑ اور آپ کے اعزاء واقارب اور اصحاب ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی ذات شیعوں کے نزدیک انتہائی محترم اور اور قابل اطاعت ہے لیکن جب کوئی ماہر نقاد اس پر گہری نظر ڈالے تو اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ امام عالی مقام قربانی اور انکار بیعت کے اصول کی علامت ہیں۔ اور امام اس اصول کے مکمل ترین نمونہ اور اعلیٰ مثال ہیں۔

یہ حقیقت عربی ادبیات سے واضح ہوتی ہے۔ ادب ہمیشہ قوم کی عقل، عقیدے، رسم ورواج اور ماحول کا عکس ہوتا ہے۔

شیعہ اہلبیتؑ کے ادبی ورثہ میں ہمیں ظلم کے خلاف احتجاج نظر آتا ہے۔ شیعہ شعراء امام حسین علیہ السلام کے نام کو انقلاب اور احتجاج کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ "حسینؑ اس کا سب سے بلند اور سچا نمونہ ہیں۔

جب کہ یزید، بنی حرب اور آل ابوسفیان جیسے افراد فساد وظلم کی علامت ہیں۔

یہ نظریہ بہت سے اشعار میں جھلکتا ہے۔ مثلاً

ایک شاعر کہتا ہے: "آپ کا دل ایک تیر سے چھیدا گیا۔ اے مصطفیٰ کے فرزند۔ یہ وہ تیر تھا جس نے ہدایت کے دل کو نشانہ بنایا"

ایک اور شاعر کہتا ہے: "میں اپنی جان فدا کروں اس ہستی پر جن کا سر نیزے پر بلند کیا گیا۔ لیکن وہ دین کے سر کا تاج بن گئے"

ایک اور شاعر نے کہا: "آج انہوں نے نبیؐ کو قتل کردیا اور اسلام کو ماتم زدہ اور مظلوم بنادیا"

یہ اشعار اور ان جیسے ہزاروں اشعار انسانیت کی گہرائی اور شعور کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ہر اس ظلم کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہیں جو انسان کے حقوق پامال کرے۔

محترم شیعہ شعراء "حسینؑ" کے لفظ کو ان حقوق کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

شیخ احمد نحوی کی اس صدا کو سنیں جو ظالم حکمرانوں کے خلاف بلند کی گئی:

"کتنی حیرت کی بات ہے کہ اللہ کا مال ظالموں کے لئے کمائی کا ذریعہ بن گیا اور اس کے بندے غلاموں میں تبدیل ہوگئے"

"کتنی حیرت ہے کہ آل رسولؐ کو غنیمت سمجھا گیا اور یزید وزیاد کے حوالے کردیا گیا"

یزید وزیاد ہر اس شخص کی علامت ہے جس نے زمین پر فساد اور ظلم وستم پھیلائے۔

اس طرح ہم ان اشعار کی وضاحت پاتے ہیں جن میں شعراء امام زمانہ (عج) سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حسین کے قاتلوں سے بدلہ لیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جیسا کے انھوں نے امام حسینؑ اور ان کے اولاد واصحاب اور مخدرات عصمت وطہارت کے ساتھ کیا تھا۔ ان شعرا کی نظر میں امام حسینؑ ہر مظلوم ومحروم کے لئے ایک علامت ہیں۔ اور ان کے قاتل ہر ظالم وفاسد کے لئے۔ جبکہ "صاحب الامرؑ" سے مراد وہ عادلانہ ریاست ہے اجو زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گی، جیسے کہ وہ ظلم وجور سے بھردی گئی تھی۔

اسی طرف سید حلی ان اشعار میں اشارہ کرتے ہیں:

"زمین کبھی بھی دشمنوں کی نجاست سے پاک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اسپر خون کی سیلابی بارش نہ ہو"

حسینؑ کی شہادت کو تقریباً چودہ سو سال کا عرصہ ہوگیا ہے اور اس زمانے سے لیکر آج تک مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ امامؑ کے لئے اشعار لکھتے آئے ہیں خواہ فصیح زبان میں ہوں یا غیر فصیح زبان میں ہوں۔ اگرچہ زندگی نے کئی مراحل طے کئے اور کئی رسم ورواج مٹ گئے لیکن حسینؑ کی یاد منانے اور آپ کے نام کو نثر و نظم میں بلند کرنے کی روایت نہ صرف باقی رہی، بلکہ ہر دور کے ساتھ بڑھتی گئی۔ یہ ترقی اسی طرح جاری رہے گی جیسے زندگی ترقی کرتی ہے اور یہ ایک یقینی امر ہے نہ کہ محض ایک اندازہ۔

اگر ہم انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حسینؑ ابن علیؑ جیسا کوئی عظیم انسان نہیں جنکے بارےمیں اتنا زیادہ شعر کہا گیا ہو۔

اگر کوئی محقق حسینؑ کے شان میں کہے گئے اشعار کا دنیا کے دیگر عظیم انسانوں کے اشعار کے ساتھ موازنہ کرے تو یا تو دونو برابر ہوں گے یا حسینؑ کے حق میں برتری ہوگی۔

یہ تحریر سمندر کے قطرے یا صحرا کی ریت کے ذرے کی مانند ہے۔ اس کا بنیادی راز یہ ہے کہ حسینؑ نے جن اصول پر اپنی جان دی وہ یہی تھا:

"میں نبیؐ کے دین پر چل رہا ہوں، لہذا حسینؑ کی تعظیم درحقیقت نبیؐ کے دین کی تعظیم ہے"

کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ حسینؑ کی شان میں کہے گئے اشعار صرف شیعوں سے متعلق ہے نہ کہ اسلام یا انسانیت سے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم وطغیان کے خلاف کسی بھی انقلاب کی تجدید دراصل خود انسانیت کی تجدید ہے۔ چاہے اس کا محرک طائفیت، قومیت یا کوئی اور وجہ ہو۔

جیسے فرانسیسی، الجزائری اور ویتنامی انقلاب قومیت پر مبنی تھے لیکن وہ انسانی اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں مگر ایرانی انقلاب خالص اسلامی اور محمدی و حسینی انقلاب تھا جس کے بارے میں امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "ما این انقلاب را از کربلا آوردیم"۔ "ارتقا صرف مادی حدود تک محدود نہیں رہا، بلکہ خیالات اور زبان کو بھی شامل کیا کیونکہ یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

امام حسین کا نام شروع میں صرف حسین ابن علیؑ کی ذات کے لئے استعمال ہوتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ یہ شیعوں کے لئے انسانی آزادی، قربانی اور ظلم کے خلاف جدوجہد کی علامت بن گیا۔ اور دین مرسل اعظم ص کو زندہ رکھنے کے لئے مردوں عورتوں اور بچوں کی قربانی کی علامت ہے۔

امام حسین کا یہ قول دلیل ہے کہ: میں نبی ص کے دین پر چل رہا ہوں۔ لہذا حسینؑ تعظیم درحقیقت نبی کے دین کی تعظیم ہے

یزید لعین جو پہلے معاویہ کے بیٹے کا نام تھا اب ہر ایک کے نزدیک ظلم، استبداد اور فساد کی علامت ہے۔ جہاں بھی شر وفساد ہو وہاں یزید کا نام ہوگا۔ اور جہاں بھی حق ہوگا وہاں حسینؑ کا نام ہوگا۔

آج کے انسانوں کے نزدیک فلسطین، سینا، اردن کا مغربی کنارہ غزہ، گولان کی پہاڑیاں اور شام کربلا ہیں۔ اور حسین کے بچے اور خواتین وہ بے گھر عورتیں اور بچے ہیں جو اپنی زمین سے محروم ہوچکے ہیں۔ کربلا کے شہداء وہ ہیں جو حق اور وطن کے دفاع میں مارے گئے۔

شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

''میری نظر میں ہر جگہ کربلا ہے اور ہر زمانہ عاشورہ ہے''

> **ہر ظلم و طغیان کے خلاف مشرق و مغرب میں جو بھی انقلاب برپا ہوتا ھے وہ ایک حسینی انقلاب ھے خواہ وہ لوگ خدا اور آخرت پر ایمان نہ رکھتے ھوں۔ کیونکہ ظلم، عقل و شرع دونوں کے نزدیک ایک مکروہ و نفرت انگیز چیز ھے، چاھے مومن پر ھو یا کافر پر۔ جو کوئی انسانیت یا خیر کے لئے اپنی جان قربان کرتا ھے وہ اپنے عمل میں حسینی ھے، خواہ وہ حسین کے نام سے واقف نہ ھو۔**

ہر ظلم وطغیان کے خلاف مشرق ومغرب میں جو بھی انقلاب برپا ہوتا ہے وہ ایک حسینی انقلاب ہے خواہ وہ لوگ خدا اور آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ ظلم، عقل وشرع دونوں کے نزدیک ایک مکروہ ونفرت انگیز چیز ہے، چاہے مومن پر ہو یا کافر پر۔ جو کوئی انسانیت یا خیر کے لئے اپنی جان قربان کرتا ہے وہ اپنے عمل میں حسینی ہے، خواہ وہ حسین کے نام سے واقف نہ ہو۔

دنیا میں امام حسینؑ کی شہادت جیسا واقعہ نہیں ہے جس نے انسانیت کو شدید متاثر کیا ہو۔ دلوں میں غم اور آنکھوں میں اشک بھر دیئے۔

یہ وہی واقعہ ہے جس نے شیعہ معاشرے میں زبردست ادب تخلیق کیا اور شاعری کے میدان میں انھیں نمایاں بنادیا۔

دکھ اور کرب انسان کو نظم کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور جب تک کوئی انسان اپنے دل میں انتقام کی آگ محسوس کرتا ہے وہ اپنے جذبات کو نظم کے ذریعہ بیان کرتا ہے۔

امام حسین کا مقصد کسی خاص جماعت یا طائفہ تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ مقصد عالمی اور یونیورسل تھا۔ ہر وہ انسان جو حق اور انسانیت کے لئے جدوجہد کرتا ہے، حسین ع کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ چاہے امام عالیمقام کے سے واقف نہ ہو۔

خلیل جبران فلسفی نے کہا؛

"میں نے حسینؑ جیسا انسان نہیں دیکھا۔ جنھوں نے اپنی قربانی سے انسانیت کے وقار کو بلند کیا ہو"

مہاتما گاندھی نے کہا؛

"میں نے امام حسینؑ سے یہ سیکھا کہ مظلوم ہوکر کیسے فتیاب ہوا جاسکتا ہے" شیعہ ادب میں حسینؑ کی شہادت نے دلوں میں جذبات بھڑکائے اور زبانوں کو حسینؑ کی مدح ومرثیہ کے لئے متحرک کیا۔ یہی سبب ہے حسینؑ کے نام پر کہی گئی شاعری نے دنیا بھر میں لوگوں کے دلوں کو متاثر کیا۔

ایک شاعر نے کہا؛

"محبت آل نبیؐ میرے دل میں اس طرح بسی ہے، جیسے روشنی پانی کے ساتھ شامل ہوجائے"

ایک اور شاعر نے کہا؛

"آل نبیؐ پر کوئی ملامت نہ کرے کیونکہ وہ میرے محبوب ہیں اور اہل تقویٰ ہیں"

امام شافعی کے ایک شاگرد، ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ جب ہم امام شافعی کیساتھ مکہ سے منیٰ جارہے تھے تو انھوں نے ہر وادی اور ہر پہاڑ پر آل محمدؐ کے فضائل بیان کئے اور ان سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

"اگر آل محمد سے محبت کو رفض (مذہب شیعہ) سمجھا جائے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں"

پھر شافعی نے محبت اہلبیتؑ کو دین کا لازمی حصہ قرار دیا ہے؛

"اے اہلبیت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے جو قرآن میں نازل ہوئی۔ آپ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ بھیجا اس کی نماز قبول نہیں"

ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۱ میں شیخ شمس الدین ابن العربی کا قول نقل کیا ہے؛

"میں آل طٰہٰ سے اپنی وفاداری کو فرض سمجھتا ہوں، خواہ دشمنان اہلبیت کو ناگوار کیوں نہ ہو"

"اور مرسل اعظم نے ہدایت کی تبلیغ کے بدلے صرف قرابتداروں سے محبت کا اجر مانگا تھا"

یہ محبت جو اسلام کی ایک شاخ ہے، اہلبیت (ع) پر گذرنے والے مصائب کی گہری عاطفی کیفیت سے پیدا ہوئی۔ ان پر ہونے والے مظالم نے انھیں مظلوم اور حق کیلئے کھڑے ہونے والی ہستیوں کے طور پر پیش کیا جس نے لوگوں کے دلوں کو ان کے لئے نرم کیا۔ یہی عواطف شیعی شاعری پر ایک غمناک رنگ چڑھاتے ہیں جو مظلومیت کے حق اور انصاف کی جدوجہد کیلئے تحریک ہے۔

ائمہ اثناعشر نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو اہلبیتؑ کی محبت اور مدح پر ابھارا اور اس کے اجر کی بشارت دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا؛

"جس نے ہمارے بارے میں ایک شعر کہا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنائے گا"

ایک اور حدیث میں فرمایا؛

جو شخص حسینؑ کی شان میں اشعار کہے، روئے اور دوسروں کو رلائے اللہ اس کے گناہوں کو معاف کرے گا اور اسے جنت کا حقدار بنائے گا"

اہلبیتؑ نے شاعروں کی کاوشوں کو ہمیشہ سراہا۔ انھیں دعائیں دیں اور ان کے جذبات کی قدر کی۔ امام جعفر صادقؑ نے مشہور شاعر کمیت کے لئے فرمایا؛

"تم ہمیشہ روح القدس کے ذریعہ مدد یافتہ رہوگے"

جب کمیت نے امام کی خدمت میں اپنے اشعار پیش کئے تو امام نے دعا کی؛

"اے اللہ! کمیت کے تمام گناہ کو معاف فرما، اس کے گذشتہ اور آیندہ اعمال کو قبول فرما اور اسے اس قدر عطا کر کہ وہ راضی ہوجائے"

شیعہ شاعری میں امام حسینؑ کے غم کا گہرا اثر نمایاں ہے۔ یہ اشعار ایک طرف غم واندوہ اور دوسری طرف انقلاب اور مزاحمت کے جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اشعار ظالم حکمرانوں کے خلاف احتجاج اور مظلوموں کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں۔

حیدر حلی اپنے ایک مشہور قصیدہ میں کہتے ہیں؛

"اگر میں موت کے ہجوم کے بیچ کھڑا نہ ہوسکوں تو میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

مجھے اپنی جان جنگ کے نیزوں سے تداوی کرتی ہے کیونکہ میرے دل کو اس ظلم نے زخم دیا ہے"

شیعہ شاعری میں حسینؑ کے مصائب صرف گریہ وزاری کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ ظالموں کے خلاف احتجاج اور مظلوموں کی حمایت کا ایک اعلان ہے۔ یہی سبب ہے کہ امام عالی مقام کی یاد میں کہے گئے اشعار ہر زمانہ اور ہر قوم کے لوگوں کے دلوں کو جھنجھوڑتے رہے ہیں۔ یہ اشعار حق وانصاف کی آواز ہیں جو حسینؑ کے فلسفہ شہادت کی علامت ہیں۔

پھر حیدر حلی کے اشعار ملاحظہ ہوں؛

"اے عزم کے سفر پر گامزن۔ جس کا بوجھ اتنا بھاری ہے کہ سینے اور صبر دونو تنگ ہوجائیں۔

عمر اور عزت کے قبیلے پر رک جاؤ، ان محافظوں کو سلام کہو، جنکا پرچم کبھی جنگ میں نہیں جھکتا۔ ان کے پاس کھڑے ہوجاؤ، جہاں دلوں میں جوش، غیرت اور سوال اٹھے:

کیا انکی ہمتیں سرد ہوگئیں؟

کیا ان کی شرافت ختم ہوگئی؟

کیا انکے دلوں میں آگ بجھ گئی؟

میرے دل کے اندر شعلے بھڑک رہے ہیں،

اور میری زبان سے جلے ہوئے الفاظ نکل رہے ہیں۔

کہاں گئی انکی عزت وغیرت؟

کیا ان کا شرف اور کرم مرگیا؟

سید حیدر حلی کے مشہور "حولیات" (سالانہ قصائد) بیس سے زیادہ ہیں اور سب اسی انداز اور اسلوب میں ہیں۔

بہت سے شیعہ شعراء نے عزاداریٔ حسینؑ کے ذریعہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور یہ عزاداری آج بھی جاری ہے اور حسین ع کے پیغام کو دنیا بھر میں پہونچاتی ہے۔

شاعر احمد شوقی نے اپنی نظم - الحریۃ الحمراء - میں کہا؛

"حق کے اجتماع میں شہداء کے خون سے روشنیاں چمکتی ہیں۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے خون کے مانند ہیں، جو محرم کے ہلال پر چمکتا ہے۔

امام حسینؑ کی قربانی انسانیت کے لئے ایک عظیم درس ہے یہ عزاداری نہ صرف مظلومیت کا اظہار ہے بلکہ ظلم کے خلاف علامت بغاوت ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

معراج صبر واطاعت عباس علیہ السلام

مولانا ڈاکٹر ریحان حسن رضوی گوپالپوری

اطاعت وفرماں برداری کو ہر مذہب میں اعلیٰ مقام عطا کیا گیا ہے تمام مذاہب نے اپنے پیروؤں سے اطاعت وفرماں برداری کا مطالبہ بھی کیا ہے اور مذہب اسلام نے تو اطاعت کرنے والوں کو اجر عظیم دینے کا اعلان کیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

''جو اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرے گا خدا اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور درحقیقت یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

اطاعت خدا انبیاء کی ہو یا امام کی سب پر خدا کی اطاعت کا ہی اطلاق ہوتا ہے البتہ فرق مراتب کا ہے۔ خالق کائنات نے بھی اپنی اطاعت کے ساتھ رسولؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی اطاعت کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

''ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں''

اس آیہ کریمہ کی روشنی میں اگر اطاعت کرنے والوں کو دیکھا جائے تو جناب عباسؑ، ایسے ایسے نازک مواقع پر حضرت امام حسینؑ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جن کی مثال تاریخ اسلام میں شاذ ونادر ہی نظر آئے گی۔ بلاشبہ جس طرح حضرت علیؑ نے پیغمبر اسلام کے ساتھ بے مثال اطاعت کا مظاہرہ کیا بعینہ حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کے ساتھ اطاعت وفرماں برداری کی ایسی مثال پیش کی کہ انھوں نے اطاعت کو اپنے نام کا جزولاینفک بنادیا۔

دراصل حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کی اطاعت صرف بھائی اور بزرگ خاندان کی حیثیت سے نہیں کررہے تھے بلکہ آپ امام حسینؑ کی اطاعت امام وقت اور حجت خدا کی حیثیت سے بھی کررہے تھے جس کی جانب حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنی زیارت میں اشارہ بھی کیا ہے۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جانشین مرسل اعظم امام حسینؑ کے سامنے سرتسلیم خم کئے رہے امام عالی مقام کی منزلت کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کی اور وفاداری کا ثبوت دیا''۔

جناب عباس امام حسینؑ کے سامنے اس طرح سرتسلیم خم کرتے رہے کہ گویا اپنی رائے کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی بلکہ جو امام عالی مقام کی مرضی ہے بعینہ وہی آپ کی مرضی ہے۔

اگر آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عباسؑ سن طفولیت سے لے کر وقت شہادت تک ہر مرحلے میں امام عالی مقام کی ہی اطاعت کرتے رہے اس سلسلے میں نہ ہی اپنے جذبات واحساسات کی پروا کی اور نہ ہی کسی منزل پر کسی قسم کی تنگی کو محسوس کیا بلکہ ہر منزل پر محض رضائے امام پر نظر مرکوز رہی۔ جناب عباسؑ کا یہ عمل حضرت علیؑ کے اس حکم کے مطابق تھا کہ جب حضرت علی مرتضیٰؑ کے سر پر ضربت پڑی تھی تو آپ نے اپنی تمام اولاد کا ہاتھ حضرت امام حسنؑ کے ہاتھ میں اور جناب عباسؑ کا ہاتھ امام حسینؑ کے ہاتھوں میں دے کر فرمایا تھا بیٹا یہ تمہارے آقا ہیں جب یہ کربلا کے میدان میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیں تو تم ان کی اطاعت ونصرت کرنا۔

چنانچہ حضرت عباسؑ اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کی وصیت پر اس طرح عمل پیرا رہے کہ اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کردیا لیکن اپنے بھائی کی اطاعت وحمایت سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کیا۔ جس وقت حضرت امام حسنؑ کی شہادت ہوئی اس وقت حضرت عباسؑ کا سن مبارک چوبیس سال تھا اور آپ کی نظروں کے سامنے امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر بارانی ہورہی تھی جسے دیکھ کر جناب عباسؑ کو جلال آیا یہ بہترین موقع تھا کہ آپ داد شجاعت دے کر اپنے پدر بزرگوار کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے بھرپور انتقام لے لیتے لیکن جب وصیت امام حسنؑ کے مطابق امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو دشمنوں کی سرکوبی سے روکا تو آپ نے اطاعت امام کی مثال قائم کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے سامنے سرتسلیم خم کردیا اور آپ کے چہرۂ اقدس پر شکن تک نہ آئی۔ جناب عباسؑ کا یہ کردار اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ وہ شخص بے نظیر شجاع و بہادر ہی نہیں بلکہ تسلیم ورضاء اطاعت وفرمانبرداری اور صبر وضبط کی آخری منزل پر فائز تھے۔

جب یزید 60 ہجری میں تخت حکومت پر بیٹھا تو والی مدینہ ولید بن عقبہ کو خط لکھا کہ حسینؑ سے میرے لیے بیعت لے لو اور اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو چنانچہ ولید نے امام حسینؑ کو دربار میں بلاکر یزید کا بھیجا ہوا فرمان سنایا۔ آپ نے فرمایا مجھ جیسا شخص یزید کی بیعت پوشیدہ طریقے سے نہیں کرسکتا مجمع عام میں دیکھا جائے گا۔

یہ فرمانے کے بعد آپ روانگی کے لیے اٹھے ہی تھے کہ مروان نے ولید کو مخاطب کرکے کہا حسینؑ سے یہیں بیعت لے لو ورنہ حسینؑ پھر ہاتھ نہ آئیں گے یہ سن کر امام حسین نے فرمایا کس کی مجال ہے کہ جو حسینؑ کو ہاتھ لگا سکے اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ بنی ہاشم حضرت عباسؑ کی ہمراہی میں دربار میں داخل ہوگئے جناب عباسؑ بپھرے ہوئے شیر کی مانند حملہ آور ہوئے لیکن امام نے تلوار کو نیام میں رکھنے کا حکم دیا چنانچہ بپھرے ہوئے شیر نے حکم امام سے مجبور ہوکر تلوار کو نیام میں رکھ لیا۔

امام عالی مقام دربار ولید سے واپس آکر عازم سفر ہوئے اور 60 ہجری میں مدینہ سے کربلا کی جانب کوچ کیا۔ اثناء سفر حرؑ بن یزید ریاحی نے امام حسینؑ کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ امام عالی مقام کے پہلو میں ہی حضرت عباس کھڑے ہوئے تھے اگر چاہتے تو ایک وار میں ہی حرؑ کے دونوں ہاتھ کو قلم کردیتے لیکن پاس امام میں جناب عباسؑ نے اس منظر کو برداشت کرلیا۔

جب امام عالی مقام 61 ہجری میں وارد کربلا ہوئے تو امام حسینؑ نے اپنے خیمے فرات کے کنارے نصب کرنے کا حکم دیا چنانچہ لب فرات خیمے نصب ہوگئے لیکن یزیدیوں نے حضرت امام حسینؑ سے دریا کے کنارے سے خیموں کے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ اس گستاخی اور بے ادبی کو دیکھ کر جناب عباسؑ نے جوش شجاعت میں تلوار کو نیام سے نکال لیا اور ارادہ کیا کہ فوج یزیدی کو اس گستاخی کا بھرپور جواب دیں لیکن جیسے ہی امام عالی مقام نے حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ بھیا ان خیام کو فرات کے کنارے سے ہٹالو تو اپنی خواہشات کا گلا گھونٹتے ہوئے خود اپنے ہاتھوں سے نصب کیے ہوئے خیموں کو فرات کے کنارے سے ہٹالیا حضرت عباسؑ کا یہ عمل صبر اطاعت وفرماں برداری کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

میدان کربلا میں افواج یزید کے محاصرے نے طول کھینچا اور عاشور کی شب آنے سے قبل ابن سعد نے لشکر امام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو امام حسینؑ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے حضرت عباسؑ کو حکم دیا اور فرمایا ''وارکب بنفسی الست'' بھائی تم پر میری جان قربان ہوجائے دیکھو کہ معاملہ کیا ہے۔

چنانچہ آپ حکم امام کے مطابق فوج دشمن کے سامنے آئے اور سوال کیا کہ آخر بات کیا ہے جواب ملا کہ صلح وصفائی کی تمام تدبیریں ختم ہوچکی ہیں حسینؑ سے کہو کہ بیعت کریں یا جنگ کے لیے تیار ہوں جائیں۔

دشمن کا یہ انداز تخاطب حضرت عباسؑ کی غیرت و حمیت کو للکار رہا تھا یہ انداز اس بات کا متقاضی تھا کہ تلوار نکال کر فوراً دشمنوں کا قلع قمع کرکے اپنی حسرت نکال لیتے لیکن پاس امام میں خدمت امام حسینؑ میں پہنچے اور دشمنوں کے وہ ناشائستہ الفاظ پہنچا کر حکم امام کے منتظر رہے لیکن اجازت جنگ کے بجائے ایک شب کی مہلت طلب کرنے کا حکم ملا۔ اور اطاعت امام کے احترام میں اس غیور نے اس حق سفارت کو بھی ادا کیا۔

چونکہ حضرت عباسؑ کو جنگ صفین کے علاوہ کسی مرحلے پر بھی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے میدان کربلا میں اس شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنے کا موقع فراہم ہونے کا انھیں بے صبری سے انتظار تھا صرف حکم امام کے منتظر تھے اور آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کے حق میں اسی دن کے لیے دعا فرمائی تھی چنانچہ جب جناب زہیر قین نے حضرت عباسؑ سے میدان کربلا میں فرمایا کہ اے عباسؑ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد ماجد نے تمہیں کس دن کے لیے منتخب کیا ہے تو آپ نے ایک انگڑائی لے کر کہا ''اتجعنی فی مثل ھذا الیوم یازھیر'' زہیر تم آج کے دن شجاعت دلا رہے ہو بس ایک رات اور باقی ہے اس کے بعد دیکھنا کہ عباسؑ اپنے مقصد حیات کو کیونکر پورا کرتا ہے۔ جس کا جذبہ یہ ہو اس کو اجازت جنگ امام عالی مقام کا نہ دینا اور اس کو اجازت جنگ نہ ملنے پر محض امام کی اطاعت میں سکوت اختیار کرتے ہوئے ہر ہر قدم پر خون کے گھونٹ پیتے رہنا اور ہر طرح کی کلفتوں کا سامنا کرتے رہنا یہ صرف حضرت عباسؑ کے قلب وجگر کی بات تھی کہ جن کو خدا نے اپنے عنایت خصوصی کا مستحق قرار دے کر اطاعت وفرماں برداری کا بے نظیر نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

امام عالی مقام کے سبب آپ خود کو جنگ سے روکے رہے اور خون کے آنسو پیتے رہے لیکن جب بچوں کی آواز العطش سنی تو بپھرے ہوئے شیر کے مانند خدمت امام میں پہنچ کر اذن جہاد طلب کیا کیونکہ اب حضرت عباسؑ کے لیے سر کٹانے یا دشمنوں سے بھرپور انتقام لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا حضرت امام حسینؑ نے محسوس کیا کہ فرط غم سے اب حضرت عباسؑ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرجائے گی کیونکہ یہ المناک مناظر جری سے دیکھے نہیں جارہے تھے۔

امام عالی مقام نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے فرمایا:

عباس جب تمہارے بلند علم کو دیکھتا ہوں تو اپنی فوج کو زندہ پاتا ہوں اور دشمن کو تمہاری صورت وہیبت سے بھاگتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ اے بھیا تم سردار لشکر ہو اگر تم چلے گئے تو سارا لشکر ختم ہوجائے گا۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ نے دائیں اور بائیں دیکھا اور سر جھکا کر خاموشی سے عرض کیا مولا وہ لشکر کہاں رہا جس کا میں سردار ہوں۔

یہ سن کر امام حسینؑ کے دل پر چوٹ لگی اور فرمایا اگر جانا ہی چاہتے ہو تو بچوں کے لیے پانی کی سبیل کرو۔

حضرت عباسؑ اطاعت امام میں بچوں کے لیے پانی کی سبیل کی غرض سے دریا کی جانب چل دیئے اور یزید کے فوجیوں کو بھگا کر فرات سے پانی بھر کر چلے، دشمنوں نے حضرت عباسؑ کے شانوں کو قلم کرکے شہید کردیا اور اس طرح اطاعت امام عالی مقام میں جناب عباسؑ کے جنگ کرنے کی حسرت دل کی دل میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔

اس مختصر تاریخی جائزے سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنی حیات کے کسی موڑ پر بھی امام حسینؑ کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کیا اور اپنے جذبات و احساسات کا گلا گھونٹ کر ہر منزل پر انا عبد من عبد محمد کی حقیقی تصور پیش کی۔ □

☆☆☆☆

خدائے سخن میر تقی میر کے مرثیے

ڈاکٹر تقی عابدی (کینڈا)

کہتے ہیں کہ ہر بڑے منہ کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ دنیائے ادب میں عظیم شاعروں کا ہر شعر اپنا آپ مقام رکھتا ہے۔اگر اردو شاعری کے خدائے سخن میر تقی میر ہیں تو پھر ان کا کلام صحیفہ سخن اور ان کے کلام کا ہر ہر شعر آیت سخن کی مصداق ہونا چاہئے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اردو کی دنیائے سخن میں بقول میر انیس

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
سب کچھ ہے اس دنیا میں بس انصاف نہیں ہے

میر کی تصنیفات کی تعداد زیادہ ہے جس کا ذکر ہماری گفتگو کا موضوع نہیں۔آج میر کے انتقال کے دوسو برس بعد بھی میر شناسی کے بہت سے پہلو روشن نہ ہوسکے اگر چہ اردو کے تقریباً ہر مشہور و معروف نقاد نے میر کی عظمت کا اقرار کیا ہے۔اگر کسی تذکرہ نگار جیسے مصطفیٰ خان شیفتہ نے گلشن بے خار میں میر کی شاعری میں رطب و یابس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کی توضیح بھی "در ید بیضا ہمہ انگشت ہا یکدست نیست" کہہ کر کردی ہے۔

میر صاحب نے کم بیش ہر صنف سخن میں اپنی شاعری کے جوہر دکھائے ہیں۔اگر چہ اردو شاعری میں غزل کا دوسرا نام میر تقی میر ہے لیکن اردو شاعری کی وہ اصناف جو بگڑی اور معمولی تھیں ان کو بھی میر صاحب نے کمال کے منصب پر بٹھا دیا ہے۔غزل ہو کہ مثنوی،قطعہ ہو کہ رباعی،قصیدہ ہو کہ مرثیہ ہر شعر حسن یوسف ہے جس کو بازار مصر میں پیش ہونا چاہئے۔ ہر لفظ میر کے صحیفہ کا سند ہے جیسا کہ خود میر نے کہا ہے

اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض
اول تو میں سند ہوں پھر یہ مری زبان ہے
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا
میر عشق اور غم دولت کے شاعر ہیں
مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب نے
رنج و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیئے لوگوں کو
شہر دلی میں ہے سب پاس نشانی اس کی

اگر چہ اوپر کے شعر میں مرثیہ لغوی معنی میں استعمال ہوا لیکن ہماری گفتگو در حقیقت اصطلاحی معنی مرثیہ یعنی وہ نظم جو شہدائے کربلا سے متعلق ہے ہوگی۔بڑے تعجب کی بات ہے کہ میر صاحب کے مرثیوں کا مجموعہ پہلی بار آج سے صرف پچھتر سال قبل 1950 میں لکھنؤ سے شائع ہوا جس کو پروفیسر مسیح الزماں صاحب نے مرتب کیا تھا۔

میر صاحب کے مرثیوں سے نو مرثیوں کے صرف مطلع کے بندوں کو پہلی بار 1928 میں رسالہ نیرنگ رام پور نے میر نمبر میں شائع کیا پھر انجمن ترقی اردو نے چھ مرثیے اور ایک سلام کو اردو اپریل 1931 میں شائع کیا۔اگر چہ کلیات میر کے قدیم نسخوں میں ان کے مرثیے اور سلام نظر آتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق آج بھی میر صاحب کے بعض مرثیے اور سلام غیر مطبوعہ قدیم قلمی نسخوں میں موجود ہیں جس کی نشان دہی محقق رثائی ادب پروفیسر اکبر حیدری نے "اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا" میں کی ہے۔انشاءاللہ راقم بہت جلد خدائے سخن میر کے تمام رثائی کلام کو شائع کرنے کی توثیق حاصل کرے گا۔

میر کے مطبوعہ مرثیوں،سلاموں اور نوحوں کی تعداد کچھ اس طرح ہے۔کل مراثی 31،جس میں 27 مرثیے مربع شکل میں،دو مرثیے مسدس کی شکل اور ایک ایک مرثیہ ترکیب بند اور ترجیع بند کی شکل میں ہے۔کل سلام پانچ عدد۔نوحوں کی تعداد تین ہے۔ مطبوعہ مرثیوں،سلاموں اور نوحوں کے اشعار کی تعداد 1681 ہے۔

میر کے مرثیوں پر بہت کم لکھا گیا اگر ان دوسو سال کے تشریحی،تنقیدی اور تحقیقی اوراق کو جمع بھی کریں تو مشکل سے ان کی تعداد بیس صفحات سے زیادہ نہ ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ناقدین ادب نے میر کے مرثیوں پر توجہ نہ کی ورنہ وہ یہ نہیں کہتے کہ

میر روتے ہیں دوسروں کو رلا نہیں سکتے ان کے یہاں مرثیہ ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ میر کے مرثیوں کا ان کی غزلوں سے تقابل کیا جائے کیوں کہ یہ تقابل ممکن نہیں البتہ میر کا انداز جس کا اعتراف شیخ ذوق نے کیا

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

یا جس کی حسرت،حسرت موہانی کی "میر کا شیوہ گفتار کہاں سے لاؤں" میر کا وہ انداز جس میں بقول مصنف طبقات الشعراء" خوش طبعی،خوش فکری،محاورہ بندی،جدت نگاری،رنگینی مضمون،تلاش الفاظ چرب و شیرین اور سادہ گوئی شامل ہے،تمام تر ان کے مرثیوں میں موجود ہے۔یہ اور بات ہے کہ مرثیے کی تقدیس اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ رنگ حسن،لفظوں کے پیرہن سے نظر آئے اور عطار کے لونڈے سے دوالی جائے بلکہ یہاں پڑھنے والے کو اخلاق اور کردار کے اعلیٰ اقدار سے ایسا ہی ہم کنار کر دیا جاتا ہے وہ بھی نور کے راستے کا درخشاں پیکر بن جاتا ہے۔

"نقد میر" میں ڈاکٹر عبداللہ نے جو انداز میر کی پانچ عام خصوصیات بتائی ہیں وہ تمام مراثی میر میں ہمیں نظر آتی ہیں یعنی میر کے مرثیوں میں

اول۔خلوص اور صداقت ہے،جس کی وجہ سے مضامین میں قطعیت پیدا ہوئی ہے۔

دوم۔منظر کشی اور جذبات کی مصوری کے کامیاب حصے موجود ہیں۔

سوم۔مرثیوں کے مکالمے اور بول چال کے انداز میں لہجہ عام موجود ہے۔ یہاں ہم حسب مراتب بھی دیکھ سکتے ہیں۔

چہارم۔میر کے مرثیوں میں طرز ادائیگی استدلالی انداز سے زیادہ بیانیہ اور خطابیہ ہے۔جو میر کے انداز کی شناخت ہے۔

پنجم۔ محاسن زبان جو بقول میر ان کے کلام کی شناخت ہے۔

جو دیکھو مرے شعر تر کی طرف
تو مائل نہ ہو پھر گہر کی طرف

اردو زبان کی تاریخ میں جا بجا جھول نظر آتے ہیں شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ جن علمائے ادب نے تاریخ مرتب کی انھوں نے شعری حوالوں بالخصوص وہ تاریخی اور سماجی حوالے جو مرثیوں میں نظم ہوئے تھے ان پر چنداں توجہ نہ کی ورنہ اردو کی تاریخ کے ساتھ ساتھ سماج کی تصویر کے نقش بھی مستند طور پر ثبت ہو سکتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں دہلی کی عزاداری کا آنکھوں دیکھا حال میر کے مرثیے میں دیکھئے۔

گھر سیاہ اپنا کریں گے اس عزا میں سب امیر
اس کے ماتم میں بہت سے لوگ ہوئیں گے فقیر
سینہ کوبی کرتے کوچوں میں پھریں گے خرد و پیر
عورتیں بے تاب نکلیں گی گھروں سے مو فشاں
نعل سینوں پر جڑیں گے اور سر پھوڑیں گے لوگ
کھینچیں گے کتنے الف داغ اور کتنے لیں گے جوگ
اجر اس ماتم سرا میں رکھیں گے اس شہ کا سوگ
حلقہ حلقہ لوگ ہوں گے نوحہ ہوگا درمیاں

اس زمانے میں دہلی میں لوگ محرم میں نیلے رنگ کے کپڑے پہنتے تھے۔

گریہ وزاری پہ رکھیں گے خرد منداں اساس
جامہ آبی مقرر ہوگا ہر اک کا لباس

ایک اور مرثیہ میں محرم کے جلوس اور مجلسوں میں ماتم منانے کے طریقوں کا یوں بیان کرتے ہیں ؎

الف داغ کھینچے کہیں جائیں گے
کہیں نعل سینوں پر جڑوائیں گے
دہل کی صدا جھکی کا وہ شور
قیامت سی رکھیں گے ہر چار اور
جواں چھاتیاں اپنی کوٹیں گے زور

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ پڑھا جانے والا مرثیہ فارسی زبان میں صفوی حکومت کے ملک الشعرا ملا محتشم کاشی کا ہے جو ترکیب بند ہیئت میں لکھا گیا ہے اور بارہ بند پر مشتمل ہے جس کا مطلع ہے ؎

باز این چہ شورش است کہ در خلق عالم است
باز این چہ نوحہ و چہ عزا و چہ ماتم است

میر تقی میر نے بھی اسی کاشی کے مرثیہ سے متاثر ہو کر ترکیب بند ہیئت ہی میں بارہ بند کا شاہکار مرثیہ لکھا۔اگر چہ اس مرثیہ کا لہجہ بھی محتشم کاشی کے لہجے سے میل کھاتا ہے لیکن یہ میر صاحب کی قادر الکلامی اور معجز بیانی ہے کہ تمام مرثیے کے مضامین کاشی کے مرثیے مضامین سے جدا ہیں اور میر صاحب کے مرثیہ میں محتشم کاشی کے مرثیے سے زیادہ درد ہے۔

میر صاحب کا مطلع اور مقطع محتشم کاشی کے مرثیہ کا رنگ لئے ہوئے ہے۔مرثیے کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

پھر کیا یہ دھوم ہے کہ جہاں ہے یہ تمام
پھر کیا یہ ماجرا ہے کہ ہے صبح جیسے شام
پھر کیا ہے یہ غبار کہ اٹھتے ہیں دل سے جوش
پھر کیا یہ رنج بلہ ہے کہ حیران ہیں خاص و عام
کس کا کیا ہے تازہ حوادث نے ایسا خون
ہر صبح آفتاب پیے ہے لہو کا جام
زہرا کے دل کا لخت محمد کا نور عین
اسلامیوں کے ظلم سے مارا گیا حسینؑ

محتشم کا مقطع ہے ؎

خاموش محتشم کہ دل سنگ آب شد
بنیاد صبر خانہ طاقت خراب شد

میر صاحب فرماتے ہیں ؎

خاموش میر شمع رسالت گئی بجھ گئی
بادشمال ظلم نے کی صبح ترک تاز
خاموش میر بس یہ جگر سوز غم نہ کہہ
گریہ کے ہم تو لخت جگر کرتے ہیں نیاز
خاموش میر بولنے کی جا نہیں ہے یہ
ویرانہ میں پڑا رہا کہتا ہے گنج راز
خاموش میر کرتی ہے دل چاک تیری بات
صلوات بر حسینؑ کہ ہو گئی تری نجات

میر انیس نے کہا ؎

لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہووئے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووئے

میر کہتے ہیں ؎

کہوں یہ واقعہ آگے تو غم ہو
دل کو میر صد گونہ الم ہو
قصہ کوتاہ میر کہاں تک آل عباؑ کے دکھ سنئے
روئیے کڑھیے ماتم کرئے،کوٹیے چھاتی سر دُھنیے
جیسے کباب بروئے آتش جلئے شام و سحر بھنئے
چپ رہ ظالم خوب نہیں اب آگے بات بڑھائی ہوئی
یہ کہہ کے گئے آگے روتے ہوئے غم دیدہ
اب تو بھی رکھ دے اے میر ستم دیدہ
بس گریہ سے خامے کے کاغذ تو نم دیدہ
دیوانی کر اس جا پر یہاں عقل ہے دیوانی

میر کے مرثیوں کے بارے میں یہ بات بھی نہ جانے کیوں مشہور ہوگئی ہے کہ یہ مراثی ان کی آخری عمر کی تصانیف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض مرثیے میر صاحب نے عالم پیری میں کہے ہیں جیسا کہ ان مرثیوں سے ظاہر ہے ؎

مدت تک کی ہرزہ سرائی
شہرت ہوئی پر ذلت اٹھائی
بس میر کب تک پیری بھی آئی
اب مرثیہ ہی اکثر کہا کر

ایک دوسرے مرثیہ کے مقطع میں کہتے ہیں ؎

ہر چند شاعری میں نہیں ہے تیری نظیر
اس فن کے پہلوانوں نے مانا تجھی کو میر
پر ان دنوں ہوا ہے بہت تو ضعیف و پیر
کہنے لگا جو مرثیہ اکثر بجا کیا

میر کے چھ دیوان اس بات کی مستند سند ہیں کہ میر ہی کے ابتدائی اور آخری کلام میں زبان اور طرز بیان میں فرق آچکا تھا جس سے شعر و زبان کے ارتقا اور تبدیلی کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ جب ہم نے مراثی میر کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ بعض مراثی ان کے ابتدائی کلام معلوم ہوتے ہیں اگر چہ اکثر مرثیوں اور سلاموں سے ان کی پختہ کلامی اور کہنہ مشقی ظاہر ہے۔ بعض مرثیوں میں وہ الفاظ بھی نظر آتے ہیں جنھیں میر صاحب نے بعد میں ترک کر دیا تھا۔

میر کے مرثیوں میں برصغیر کے سماج کی جھلکیں نظر آتی ہیں۔میر صاحب نے حضرت قاسمؑ کی شادی کی عکاسی کرتے ہوئے ہندوستانی رسوم برات،سہرا،حنا بندی،مصحف و آرسی، ساچق،نیگ وغیرہ کو بڑے موثر طریقے پر نظم کیا ہے۔اگر میر صاحب اپنے مرثیوں میں یہ ہندوستانی سماجی قدروں کو پیش نہ کرتے تو مرثیوں میں وہ گداز و سوز باقی نہ رہتا اور مرثیہ کسی پردیس کی حکایت بن کر رہ جاتا اس میں تقلیدی اور تاثیری گنجائش نہ رہتی اسی کامیاب تجربہ کی بنیاد فلک مرثیہ کے آفتاب و مہتاب یعنی میر انیس اور مرزا دبیر نے مرثیہ کا تاج محل تعمیر کیا۔

حضرت قاسمؑ جو کربلا کے دولھا ہیں سراپا کے دو شعر دیکھئے

دولھا اگر تھا ظاہر نویلا
لیکن نہایت بے کس اکیلا
دل کے الم سے،رخ زرد چوں زر
آنسو کا سہرا چہرے کے اوپر

میر کے مرثیوں میں جا بجا قادر الکلامی اور شوکت الفاظ کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔مربع مرثیوں میں جو میر کے مرثیہ گوئی کا رواج تھا ترا کیب اور قوافی ملاحظہ کیجئے۔

محمدؐ جس کا نانا اس کو بیکس کر کے سب ماریں
پدر ساقی کوثر جس کا اس کو تشنہ لب ماریں
سب جو بخشش عالم کا اس کو بے سبب ماریں
حرم کا جو ہے عزت دار سو محتاج چادر ہے
شہ ہر دو جہاں زیر نگیں،معروف اور نامی
امام عارف و عامی نبیؐ کے دین کا حامی
سر اس صبح سعادت کا سناں پر لے چلے شامی
کہاں حیدر کہ جو دیکھے وہی یہ ناز پرور ہے
عجائب در ہمی آئی ہے اس جمع پریشاں میں
قیامت کا سا ہنگامہ ہے برپا ایک بیاباں میں
تری اس چین سے کیونکر لگی ہے آنکھ میداں میں
بلا ہے،فتنہ ہے،آشوب ہے اک شور ہے شر ہے
جگر ٹکڑے ہوا ہے کب تلک یہ سختیاں دیکھے
نکلتی آنکھ سے یاقوت کی سی تختیاں دیکھے
تس اوپر شام کے لوگوں کی یہ بدبختیاں دیکھے
بلا لے پاس،ہم کو جلد اپنے ہی تو بہتر ہے
نہیں ان کلفتوں کی تاب لائی جاتی اب ہم سے
لپٹ سی ہونٹ کو لگنے لگی ہے گرمی دم سے
دروں جل گئی شاید ہماری آتش غم سے
ٹپکتا آنکھ سے آنسو جو ہے گویا کہ اخگر ہے
جو کچھ اے میر آگے چل کر پیش آیا انھیں مت کہہ
کہاں تک نوحہ وزاری کرے گا ہر گہہ و بیگہ
یہیں سے رنگ تیرے دل کا پیدا ہے،بس اب چپ رہ
کہ جو آنسو گرے ہے آنکھ سے یاقوت احمر ہے

☆☆☆

ڈاکٹر موسیٰ رضا
اسسٹنٹ پروفیسر خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونیورسٹی

کربلا کا واقعہ تاریخ کا وہ المناک سانحہ ہے جس کو نہ وقت کی گرد چھپا سکی، نہ ہی زمانے کے بدلتے تیور اسے مٹا سکے۔دنیا نے بڑے بڑے واقعات فراموش کر دئے، مگر حسینؑ کی قربانی کو نہ بھلا سکی۔یزید کے ظلم و جبر نے ہر کوشش کی کہ کربلا سے اٹھنے والی صدائے حق کو خاموش کر دیا جائے،مگر یہ وہ آواز تھی جس نے ظالم کے تخت و تاج کو ہلا کر رکھ دیا۔آج کربلا صرف ایک اسلامی واقعہ نہیں، بلکہ انسانیت کا ایک عالمی پیغام بن چکا ہے اور پہلی محرم سے بغیر کسی مذہبی تفریق کے، دنیا کے کونے کونے میں امام حسینؑ کی یاد منائی جاتی ہے۔

عزیزوں۔امام حسینؑ نے وہ عظیم قربانیاں پیش کیں جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ظالم اپنی تمام تر طاقت استعمال کر چکا،مگر حسینؑ کے حوصلے نہ ٹوٹے، یہاں تک کہ چھ مہینے کے معصوم علی اصغر پر ظلم ہوا تو عرش کانپ اٹھا،زمین لرز گئی،مگر حسینؑ نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔جب سب کچھ قربان ہو چکا تو امام حسینؑ نے خاک کربلا پر اپنی پیشانی رکھ کر آخری سجدہ کیا اور شمر کا خنجر اُس گلے پر چلا جس پر رسولِ خدا بوسہ لیا کرتے تھے۔اور یوں، حسینؑ نے حق کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی۔

خواتین و حضرات،

انسان اتنی بڑی قربانی صرف اسی وقت دیتا ہے، جب مقصد بھی اتنا ہی عظیم ہو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کا مقصد فقط ایک جنگ جیتنا نہیں تھا، بلکہ حسینؑ کی قربانی انسانیت کی بقا کے لئے تھی۔ آپ کی جنگ تلواروں سے نہیں تھی، بلکہ یہ ضمیر کی بیداری، سچ کی سربلندی، اور ظلم کے انکار کی جنگ تھی۔اور ایسا کیونکر ممکن ہو سکا آیئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عزیزوں یاد رکھئے کسی بھی غیر جانبدار اور حق و انصاف سے چلنے والے نظام کو ختم کرنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بنیادی اور حق پسند اصولوں کو مٹا دیا جائے، قواعد و ضوابط کو مسخ کر دیا جائے اور اس میں اس قدر تبدیلیاں پیدا کر دی جائیں کہ وہ اپنی اصل صورت و ہیئت پر باقی نہ رہے۔جب ان آفات کی سیاہ آندھیاں کسی نظام کو اپنی زد میں لیتی ہیں تو وہ عدل و انصاف روشن چراغ کو گل کر دیتی ہیں جس کے ذریعہ لوگ گمراہی کی تاریکی میں ہدایت کی راہ تلاش کر لیا کرتے تھے۔بس چراغ کے خموش ہوتے ہی تمام حق پسند افراد صراط مستقیم کو چھوڑ کر مختلف راہیں اختیار کر لیتے ہیں، اور اس طرح نظام و قانون کا اصل مقصد (یعنی انسانوں کے درمیان انصاف قائم رکھنا اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا) محو ہو جاتا ہے جس کے سبب وہ نظام قانون مردہ ہو جاتا ہے۔اور عالم وجود میں فقط اس کا نام رہ جاتا ہے۔

مگر ان تمام صورتوں کا میابی تبھی ممکن ہوتی ہے جب اس نظام کے ذمہ داران اور پیرو کار جواباً کوئی رد عمل پیش نہ کریں اور ان خرابیوں کے رونما ہونے پر آواز احتجاج بلند نہ کریں۔

لہٰذا وہ شخص جو کسی عدل و انصاف کے نظام کو مٹانا چاہتا ہے سب سے پہلے ایسی فضا ہموار کرتا ہے کہ جس میں اس حامیین اور پیرو کار اس کے خلاف نہ صرف کوئی تحریک چلا سکیں بلکہ صدائے احتجاج بھی بلند نہ کرنے پائیں۔اب چاہے ایسی فضا بنانے میں وہ ظلم و استبداد کا سہارا لے یا خوف وڈر کو اپنا آلہ کار قرار دے۔

یزیدی حکومت نے اپنے خوف اور ڈر کو لوگوں کے دلوں پر مسلط کرنے کیلئے ظلم و بربریت کی ایسی تیغ چلائی جس نے انسانی اجسام کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے احساسات و حمیت کو بھی قطع کر دیا تھا۔اور نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا نے اِن زیادتیوں پر سرگوشیاں تک بند کر دیں۔اب جو انصاف پسند افراد تھے ان کیلئے زندگی موت سے بدتر ہوگئی۔مسلمانوں کے ضمیر مردہ ہو گئے تھے، ایثار و قربانی کا جذبہ ختم ہو چکا تھا، جرأت و ہمت مفقود ہو چلی تھی، شرم و حیا اب باقی نہ رہی تھی، ایمان و ایقان نظر نہ آتا تھا۔غرض کہ حکومت نے انصاف کو مٹانے اور ظلم کو عام کرنے کی جو چال چلی تھی وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔

اب انسانیت کی بقاء کے لئے مردہ ضمیروں کو زندہ کرنا اشد ضروری ہو گیا تھا۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب انسانی فکر و خیالات فالج زدہ ہو جاتے ہیں تو ان میں حق و صداقت کی حرکت پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے غیر معمولی واقعہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ذہنی تخیلات جھنجوڑ کر رکھ دے۔ جس کے بعد مردہ خیالوں میں قوت احساس بیدار ہو جائے

لہٰذا اب حسینؑ کو کربلا کے میدان میں ایسی قربانی پیش کرنا تھی جو اس سے قبل مشاہدے میں نہ آئی ہو۔ایسے صبر کی مثال قائم کرنا تھی جس کا تذکرہ اب تک نہ ہوا ہو۔اور اس قربانی سے حسینؑ کا مقصد ایک ایسی عام بیداری پیدا کرنا تھا جس کے بعد فقط طاقت و اقتدار کو حق نہ سمجھا جائے بلکہ اصل حق کو حق سمجھا جائے۔اور اس پر عمل کیا جائے۔

حسینؑ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا آغاز کربلا کے میدان ہی سے ہو گیا تھا۔سب سے پہلے حسینؑ کے صبر و استقلال سے متاثر ہو کر اپنے ضمیر کو زندہ کرنے والا شخص یزیدی فوج کا ایک اعلیٰ منصب افسر حر بن یزید ریاحی تھا۔جس نے 2 محرم کو ابن زیاد کے حکم سے امام حسینؑ کو کربلا کے قیام پر مجبور کیا تھا لیکن 10 محرم آتے آتے امام حسینؑ کے حق پسند اصول اور ظلم کے خلاف احتجاج نے اسے اتنا متاثر کیا اس نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

> سابق صدر ہندوستان ڈاکٹر رادھا کرشنن، سارو جنی نائیڈو، ڈاکٹر راجندر پرساد، ربندر ناتھ ٹیگور، منشی پریم چند وغیرہ نے بھی امام حسینؑ اور کربلا کی قربانی کو یاد کیا ہے اور واضح کر دیا کہ یہ قربانی صرف یہ نہیں سکھاتی کہ باطل سے لڑنا ہے، بلکہ یہ بھی سکھاتی ہے کہ اگر حق کی خاطر جان بھی دینی پڑے، تو اسے فخر سمجھ کر دینا چاہیے۔ یہی وہ پیغام ہے جو کربلا سے اٹھا، اور حساس دلوں میں گھر کر گیا ۔دنیا یہ بتا دیا کہ کربلا کی عظیم قربانی جس بیداری کو عام کرنے کے لئے دی گئی تھی وہ پوری دنیا میں روشنی کی طرح پھیل گئی اور اس نے ظلم کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی ہمت و قوت کو ہمیشہ کے لئے بیدار کر دیا۔

مقصد حسینؑ کے کامیاب ہونے کی یہ پہلی دلیل تھی جو قربانی حسینؑ کے نمودار ہونے سے پہلے واقع ہو گئی تھی۔تاریخ انسانیت میں شاید ہی کوئی ایسی قربانی نظر آئے گی جس نے اتنی جلدی لوگوں کو متاثر کیا ہو۔

اب شہادت کے بعد مقصد حسینؑ (یعنی ظلم کے خلاف قوت احتجاج) میں توسیع ہوئی اور دھیرے دھیرے لوگوں میں ظلم و زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت و جرأت پیدا ہوئی ۔ چنانچہ ایک زمانہ قبل از شہادت حسینؑ کا تھا کہ جب دربار حکومت میں حسینؑ کا نام عزت سے لینا محال تھا۔ اور اب قربانی حسینؑ کے بعد زمانے نے یوں کروٹ لی کہ جیسے ہی ابن زیاد نے فاتحانہ انداز میں یہ سوچتے ہوئے کہ میں نے حسینؑ کو قتل کر کے ان کے مقصد کو مٹا دیا ہے سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی تو فوراً دربار کے سناٹے میں بوڑھے صحابی زید بن ارقم کی آواز احتجاج نے حسینی مقصد کی کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے ابن زیاد کی اس قبیح حرکت پر اعتراض کیا اور بے خوف ہو کر صدائے احتجاج بلند کی۔اس قربانی کا اثر اتنا شدید تھا کی یزید کے بیٹے نے اپنے باپ کی موت کے بعد اس کی ناانصافیوں اور ظلم و تشدد کا ذکر کرتے ہوئے تخت حکومت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔

مقصد حسینؑ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا اور 65 ہجری میں اس مقصد نے ایک لشکر کی شکل اختیار کر کے ظالموں کے خلاف اپنی کمر کس لی۔اور اس طرح حسینؑ نے انسانی قلب و ضمیر میں ظلم کے خلاف قوت احتجاج کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

اس مقصد کی تبلیغ و ترویج میں امام حسینؑ کی خواہر جناب زینبؑ نے اہم کردار نبھایا۔انھوں نے امام حسینؑ کی بے کسی اور مظلومی کو عوام الناس کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ یزید کا پھیلایا ہوا جھوٹ کہ کسی باغی و سرکش کو قتل کیا گیا ہے بالکل واضح ہو گیا اور دنیا نے جان لیا کہ کربلا میں شہید ہونے والا شخص اور کوئی نہیں بلکہ رسول کا نواسہ ہے۔اگر جناب زینبؑ پیغام حسینؑ کی پیامبری نہ کرتیں تو قربانی حسینؑ کا مقصد کربلا کے ریگستان سے نکل کر روح انسانیت کو سامان بقا فراہم نہ کر پاتا۔

یہ بیداری فقط اسلامی حکومت یا مسلمانوں تک محدود نہیں رہی بلکہ دنیا بھر کے حکمراں، سیاستداں، اسکالر، مذہبی رہنما، دانشور حضرات نے امام حسینؑ کی قربانی کا ذکر کیا اور اسے اپنے لئے مشعل راہ قرار دیا۔ چند اقوال آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

ہندوستان کو آزادی دلانے والے مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ میں نے امام حسینؑ سے یہ سیکھا کہ مظلوم ہو کر بھی فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔اسلام کی بقا تلوار سے نہیں، حسینؑ کی عظیم قربانی سے ہوئی ہے۔

برطانوی مفکر تھامس کارلائل نے اس عظیم قربانی کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ کربلا کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ حسینؑ اور اُن کے ساتھی خدا پر کامل ایمان رکھنے والے تھے۔انہوں نے ثابت کیا کہ سچ اور جھوٹ کے مقابلے میں عددی اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں۔"

کیمبرج یونیورسٹی کے ایک معروف دانشور ایڈورڈ براؤن جنھوں نے اسلام پر تحقیق کی تھی جب انھوں نے واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کے عزم کو ملاحظہ کیا تو پر جوش انداز میں بول اٹھے کہ کیا تاریخ میں کبھی ایسی بے مثال بہادری دیکھی گئی ہے؟ جہاں پانی کے پیاسے امامؑ، اپنے اہل خانہ کی لاشوں میں گھر کر بھی ظلم کے سامنے نہیں جھکے؟"

برطانوی تاریخ نگار سر پرسی سائیکس نے امام حسینؑ کی قربانی کو اسلام کی نہیں بلکہ تاریخ کی ایک عظیم قربانی قرار دی تو ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اسے ہر مذہب اور قوم کے لیے ایک روشن مثال کہا۔

دنیا نیلسن منڈیلا کے اس قول کو بھی فراموش نہیں کر سکتی جس میں اس نے یہ اعتراف کیا تھا کہ میں نے 20 سال سے زائد قید میں گزارے، اور ایک رات میں نے حکومت کے تمام مطالبات قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔لیکن اچانک میرے ذہن میں امام حسینؑ اور کربلا کا سنگھرش آیا، اور انہوں نے مجھے آزادی اور حق کے تحفظ کے لیے دوبارہ کھڑے ہونے کی طاقت دی۔

عیسائی مصنف انٹوئن بارا نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا کہ اگر حسین ہمارے ہوتے تو ہم ہر شہر میں اُن کا علم اور مینار بناتے، اور لوگوں کو حسینؑ کے نام پر عیسائیت کی طرف بلاتے۔

اس کے علاوہ سابق صدر ہندوستان ڈاکٹر رادھا کرشنن، سارو جنی نائیڈو، ڈاکٹر راجندر پرساد، ربندر ناتھ ٹیگور، منشی پریم چند وغیرہ نے بھی امام حسینؑ اور کربلا کی قربانی کو یاد کیا ہے اور واضح کر دیا کہ یہ قربانی صرف یہ نہیں سکھاتی کہ باطل سے لڑنا ہے، بلکہ یہ بھی سکھاتی ہے کہ اگر حق کی خاطر جان بھی دینی پڑے، تو اسے فخر سمجھ کر دینا چاہئے۔یہی وہ پیغام ہے جو کربلا سے اٹھا، اور حساس دلوں میں گھر کر گیا۔دنیا یہ بتا دیا کہ کربلا کی عظیم قربانی جس بیداری کو عام کرنے کے لئے دی گئی تھی وہ پوری دنیا میں روشنی کی طرح پھیل گئی اور اس نے ظلم کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی ہمت و قوت کو ہمیشہ کے لئے بیدار کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کسی ایک قوم، مذہب یا طبقے کے نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے امام بن گئے اور شاید اسی لیے جوش ملیح آبادی نے سچ کہا تھا:

شاید اسی لئے جوش ملیح آبادی نے کہا تھا

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حُسین
چرخ نوع بَشر کے تارے ہیں حُسین
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی، ہمارے ہیں حُسین

باب الحوائج حضرت علی اصغرؑ

مولانا سید علی ہاشم عابدی

واقعہ کربلا کے سب سے کمسن مجاہد وشہید حضرت علی اصغر علیہ السلام معمار کربلا سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور حضرت رباب سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے۔

روایات کے مطابق 28 رجب سن 60 ہجری کو امام حسین علیہ السلام اپنے اہل حرم اور خاص اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ امام عالی مقام کے سفر سے کچھ دن قبل جناب علی اصغر علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی اور چند دن کی عمر میں ہی آپ کاروان حسینی میں شامل ہوئے اور کربلا پہنچے۔

کربلا میں جب فوج شام نے پانی پر پابندی لگائی تو دوسرے شہیدوں اور اسیروں کی تشنگی میں آپؑ بھی شریک ہوئے۔ ظاہر ہے روز عاشورا جس نے جتنی جلدی جام شہادت نوش کیا اس کی تشنگی سیرابی میں بدل گئی اور جس کی شہادت جس قدر بعد میں ہوئی اسے اسی قدر مزید تشنگی کی اذیت برداشت کرنی پڑی۔ حضرت علی اصغر علیہ السلام کا شمار آخری شہداء میں ہوتا ہے تو آپؑ کی تشنگی بھی زیادہ دیر رہی۔

حضرت علی اصغر علیہ السلام اگرچہ واقعہ کربلا کے سب سے کم سن شہید اور مجاہد ہیں لیکن آپؑ کی شہادت نے مظلوم کربلا امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت اور حقانیت اور اسی طرح دشمنان اہل بیت کے ظلم وستم اور قساوت وسنگدلی کو دنیا پر ظاہر کر دیا کہ بلا تفریق دین و مذہب اور بلا تفریق رنگ ونسل ہر وہ انسان جس کے سینے میں انسان کا دل ہے جب وہ آپؑ کی شہادت کو سنتا ہے تو وہ امام حسین علیہ السلام سے قریب ہوتا ہے اور یزید اور یزیدیت سے نفرت کرتا ہے۔

دنیا تصور نہیں کر سکتی کہ کوئی انسان اس کمسنی میں کسی کو کوئی درس دے سکتا ہے، لیکن سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے اس کمسن فرزند نے رہتی دنیا تک انسانوں کو وہ درس انسانیت وحریت دیا کہ اگر اس پر دنیا عمل کر لے تو سعادت مند اور خوش بخت ہو جائے۔ آپؑ کے عظیم دروس میں سے ایک درس غیرت ہے۔ چاہے وہ غیرت دینی ہو یا غیرت انسانی ہو۔

یہ غیرت ہی انسانیت کا خاصہ ہے، جس کے پاس غیرت نہیں اس کے پاس دین نہیں، جس کے پاس غیرت نہیں اس کے پاس انسانیت نہیں۔ وہ ظاہراً انسان تو ہے لیکن انسانیت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

حضرت علی اصغر علیہ السلام نے رہتی دنیا تک غیرت کا درس دیا کہ تم چاہے جس سن وسال کے ہو تمہارے پاس غیرت ہونی چاہیے کہ اپنے امام وقت کو راضی وخوشنود کرلو اور ان کی ناراضگی اور غم واندوہ کا سبب نہ بنو۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے زیارت ناحیہ مقدسہ میں آپ کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ "**اَلسَّلَامُ عَلَی الرَّضِيْعِ الصَّغِيْرِ**" **طفل شیر خوار** پر سلام ہو۔

باب الحوائج حضرت علی اصغر علیہ السلام عظیم علماء و فقہاء کے کلام میں

1۔ مرجع عالی قدر آیۃ اللہ العظمیٰ میرزا محمد حسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ مصائب اور مرثیہ پڑھنے والوں کو نصیحت فرماتے کہ جتنا ممکن ہو حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں، خصوصاً ایام محرم میں خطباء وذاکرین کو تاکید فرماتے کہ زیادہ سے زیادہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں۔ چونکہ مرحوم میرزائے شیرازی کا ماننا تھا کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کی سند ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ حضرت علی اصغر علیہ السلام نہ شمشیر اٹھا سکتے تھے، نہ کسی سے کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ ہی اپنا دفاع کر سکتے تھے، اس سے بڑی اور کیا سند ہوگی کہ اس تاریک دنیا میں جو اپنی شہادت سے قیامت تک کے لئے اپنے والد کی مظلومیت کو واضح اور روشن کر دے۔

2۔ آیۃ اللہ العظمیٰ میرزائے قمی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں نقل ہوا ہے کہ جب بھی آپ کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہوتے تو حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کرتے تھے، آپ محرم کے عشرہ اولیٰ میں خطباء وذاکرین سے یہی مطالبہ کرتے کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں۔

ایک خطیب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، آقا کربلا میں دوسرے شہداء بھی ہیں جنہوں نے اپنی جان قربان کر کے امام حسین علیہ السلام کی نصرت فرمائی، میرزای قمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جانتا ہوں لیکن باقی شہداء میں سے ہر ایک نے جنگ کی یا کم از کم خود کا دفاع کیا لیکن حضرت علی اصغر علیہ السلام اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔

3۔ مرجع تقلید آیۃ اللہ العظمیٰ گلپایگانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مخصوص مصائب بیان کرنے والے جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس سے اندازہ ہو جاتا کہ آپ کو کوئی اہم مشکل یا حاجت در پیش ہے، کیونکہ وہ جب بھی مصائب بیان کرتے تو صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب بیان کرتے تھے۔

4۔ آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد تقی بہجت رحمۃ اللہ علیہ زائرین کربلا کو نصیحت فرماتے کہ امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک میں مختصر ہی سہی حضرت علی اصغر علیہ السلام کا ذکر مصیبت کریں۔

5۔ آیۃ اللہ العظمیٰ شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کرنے کی بہت زیادہ

تاکید فرماتے تھے، خود بھی مسجد میں شب جمعہ دعائے کمیل کے بعد حضرت علی اصغر علیہ السلام کا ذکر مصیبت فرماتے تھے۔

6۔ بانی حوزہ علمیہ قم آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ عبدالکریم حائری رحمۃ اللہ علیہ طلاب کو نصیحت کرتے کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب پڑھیں، ان کا عقیدہ تھا کہ بہت سے مسائل اور مشکلات حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں۔ چونکہ انکا دستور تھا کہ ہر روز درس سے پہلے کوئی شاگرد مختصر مصائب بیان کرتا تھا، اس کے بعد آپ درس دیتے تھے۔ ایک بار آپ نے حکم دیا کہ اب آج سے صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب بیان ہوں جب تک کہ میں خود کچھ نہ کہوں۔ لہذا آپ کے حکم کے مطابق تقریبا 70 یا 80 دن حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان ہوئے۔ کسی نے عرض کیا کہ آقا! اتنے دن سے صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر بھی کم بیان ہوا کیوں کہ یہ مصیبت بہت عظیم ہے۔

7۔ رہبر انقلاب آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای دام ظلہ نے بیان فرمایا: آقای الہی قمشہ ای مرحوم نے مجھ سے خود بیان کیا کہ ان کے فرزند حسین آقا کمسنی، شیر خواری کے زمانے میں اس قدر مریض تھے کہ میں اس کی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا، ہم نے نذر کی کہ اگر یہ بچہ صحت یاب ہو گیا تو امام حسین علیہ السلام کے لئے نظم کہیں گے، فکر میں تھے کہ کہاں سے شعر شروع کریں کہ ذہن میں حضرت علی اصغر علیہ السلام کی تشنگی کا خیال آیا تو سوچا اسی مصیبت کو نظم کریں گے، ساتھ ہی دیکھ رہا تھا کہ وہ بچہ آخری سانسیں لے رہا ہے تو خیال آیا کہ اس کی ماں یہ منظر نہ دیکھے لہذا انہیں چھت پر بھیج دیا کہ جاؤ دعا کرو، ہم یہاں ہیں، چونکہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ پانی اور دودھ اس کے لئے نقصان دہ ہے اس لئے یہ کئی دن کا بھوکا بھی تھا تو یہی سوچ کر کہ اب جب یہ ہم سے رخصت ہی ہو رہا ہے تو کم از کم پیاسا نہ جائے لہذا اس کے منہ میں چمچ سے پانی ڈالنے لگا چند قطرے پانی پڑے تو اس نے آنکھیں کھول دی تو میں نے اہلیہ کو آواز دی کہ او بچے کو دودھ چاہیے وہ بھوکا ہے، اہلیہ یہ سمجھیں کہ شاید بچہ گزر گیا ہے یہ ہمیں اس طرح بلا رہے ہیں لیکن جب وہ آئیں تو دیکھا کہ بچہ بھوک سے گریہ کر رہا ہے اور اس کے بعد یہ بچہ صحتیاب ہو گیا اور انہوں نے وہ نظم بھی کہی۔

8۔ آیۃ اللہ حق شناس رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں کو حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کرنے اور ان سے توسل کرنے کا حکم دیتے تھے۔

دیگر بہت سے علماء وفقہاء نے بیان فرمایا کہ جب بھی مشکل میں گرفتار ہوں تو حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کریں۔

خدایا! ہمیں اپنی، اپنے رسول اور آل رسول علیہم السلام کی معرفت عطا فرما۔

☆☆☆☆

عاشور: تلوار پر خون کی فتح!

ابوشحمہ انصاری

محرم کا مہینہ آتے ہی تاریخ کا ایک باب دوبارہ آنکھوں کے سامنے کھل جاتا ہے۔ یہ باب صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ انسانیت کا ہے۔ عاشور، یعنی دس محرم، کربلا کی وہ خونچکاں داستان لیے ہوئے ہے جو صداقت، قربانی، صبر اور اصول کی معراج ہے۔ امام حسینؓ نے نہ صرف اپنی جان بلکہ اپنے پورے خاندان اور ساتھیوں کی قربانی دے کر حق کی وہ بنیاد رکھی جو آج بھی اہلِ ضمیر کے دل میں زندہ ہے۔

واقعہ کربلا اسلامی تاریخ کا وہ عظیم باب ہے جو وقت کے ہر جابر کو یہ یاد دہانی کراتا ہے کہ حکومت، لشکر، اور طاقت کے باوجود باطل کو ہمیشہ شکست ہوئی ہے۔ حسینؓ کی قربانی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر حق پر ڈٹ جانے کا حوصلہ ہو تو تنہائی بھی طاقت بن جاتی ہے۔ امام حسینؓ نے وقت کے ظالم حکمران یزید کی بیعت سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ دین کی سربلندی کسی شخص، حکومت یا دنیاوی فائدے کے لیے قربان نہیں کی جا سکتی۔

کربلا کا میدان صرف جنگ کا مقام نہیں بلکہ ضمیر کی بیداری کا منظرنامہ ہے۔ ایک طرف طاقت کا غرور، زر وزور کا جاہ وجلال اور جنگی ساز وسامان سے لیس یزید کا لشکر تھا، تو دوسری طرف حسینؓ کے قافلے میں معصوم بچے، پیاسے بزرگ اور وفادار جان نثار تھے۔ لیکن وقت نے یہ دکھایا کہ تعداد، طاقت اور حکومت وقتی ہوتی ہے، مگر اصول پر کھڑے ہونے والے ہمیشہ تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی تک سے محروم کر دیا گیا۔ نا صرف اہلِ بیت کو بھوکا پیاسا رکھا گیا بلکہ بچوں، خواتین اور بیماروں تک پر ظلم کیا گیا۔ مگر یہ سب کچھ ان کے حوصلے کو توڑ نہ سکا۔ نہ کسی نے فریاد کی، نہ اصول سے ہٹنے کی بات کی۔ یہاں تک کہ علی اصغر جیسے شیر خوار بچے کو بھی تیر کا نشانہ بنایا گیا، لیکن زبان پر شکوہ تک نہ آیا۔

کربلا ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ حق کے لیے لڑنا ہو تو حالات کی سختی رکاوٹ نہیں بنتی۔ ظالم کے سامنے جھکنا آسان ہوتا ہے، مگر امام حسینؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ دین کی اصل روح صرف نماز، روزہ اور حج میں نہیں، بلکہ وقت کے باطل کے سامنے کھڑے ہونے میں بھی ہے۔ اگر حسینؓ چاہتے تو اقتدار سے ساز باز کر لیتے، مگر انہوں نے قربانی کو ترجیح دی، کیونکہ ان کا مقصد دین کو بچانا تھا، نہ کہ دنیا حاصل کرنا۔

آج جب ہم یومِ عاشور مناتے ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم صرف ماتم وجلوس کے ذریعے امام حسینؓ سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں یا ان کے فلسفۂ قربانی کو اپنی زندگی میں بھی شامل کر رہے ہیں؟ کیا ہم ظلم کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں؟ کیا ہم حق پر کھڑے ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر ہماری یاد منانا محض رسم بن کر رہ جائے گا۔

کربلا کا سبق صرف ماضی کا نہیں، بلکہ آج کا بھی ہے۔ آج بھی دنیا میں یزیدیت مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ کہیں ناانصافی ہے، کہیں مذہبی منافرت، کہیں کمزوروں پر ظلم، کہیں سچ بولنے پر پابندیاں۔ ایسے میں اگر ہم خاموش رہتے ہیں تو حسینؓ کے قافلے سے ہمارا تعلق رسمی رہ جاتا ہے۔ حسینؓ نے ہمیں بتایا کہ حق کے لیے اگر ایک بھی آواز بلند ہو، تو وہ تاریخ رقم کر سکتی ہے۔

حسینؓ کی شہادت ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ اصل کامیابی وہ نہیں جو دنیا میں دکھائی دے، بلکہ وہ ہے جو اصولوں پر قربانی دے کر حاصل کی جائے۔ ظاہری طور پر حسینؓ کا قافلہ کربلا میں شہید ہوا، لیکن حقیقت میں وہی جیتا، اور یزید جو تخت پر بیٹھا تھا، تاریخ کی نظروں میں ہمیشہ کے لیے رسوا ہو گیا۔

ہمیں عاشور کے دن صرف جلوس نکالنے، تعزیے اٹھانے یا نوحہ خوانی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اپنی زندگیوں میں حسینؓ کے اصولوں کو اپنانا ہوگا۔ ہمیں اپنے گھروں، معاشرے، اور سماج میں انصاف، دیانت، سچائی اور حق گوئی کو زندہ کرنا ہوگا۔ یہی حسینؓ کی اصل تعلیم ہے، اور یہی ان کی قربانی کا مقصد بھی۔

یقیناً تلوار نے وار کیا، خیمے جلائے گئے، لاشے پامال کیے گئے، لیکن جب وقت کی عدالت نے فیصلہ سنایا تو حسینؓ کا نام عزت کا نشان بن گیا۔ تلوار ہار گئی، خون جیت گیا۔ یہی عاشور کا اصل پیغام ہے: اگر نیت پاک ہو، مقصد سچا ہو، اور حوصلہ بلند ہو تو خون تلوار پر ہمیشہ غالب آتا ہے۔

سعادت گنج، بارہ بنکی

سلام کے توسل سے چراغِ عزا روشن کرنے والا شاعر: ڈاکٹر کیفی سنبھلی

ڈاکٹر سید بصیر الحسن وفاؔ نقوی

اردو ادب میں ابتداء سے ہی رسول اللہؐ اور ان کے اہل بیتؑ کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا رہا ہے جو کہ آج تک جاری وساری ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح اردو ادب کی حیات تک جاری وساری رہے گا۔ اس سلسلے سے اردو شاعری کی مختلف اصناف میں امامِ حسینؑ کا ذکر ملتا ہے۔ چاہے وہ مثنوی ہو قصیدہ ہو غزل ہو یا دیگر کوئی بھی صنف ہم اس کے دامن میں طرح طرح سے ذکرِ امام حسینؑ ضرور دیکھتے آ رہے ہیں۔ جبکہ مرثیہ اور سلام تو اسی کے لئے اپنی مثال آپ رکھتے ہیں۔

صنفِ سلام اردو ادب کی ایسی صنف ہے جو غزل جیسی ہیئت رکھتے ہوئے داستانِ کربلا بیان کرتی ہے۔ ابتداء میں اس کا دائرہ بھی محدود تھا لیکن میر انیسؔ اور دیگر شعراء کی کاوشوں کے ذریعے سے اس کا دائرہ وسیع ہوا اور اس میں تمام کائنات کے مضامین سمٹ کر آ گئے لیکن ان مضامین کا مقصد واقعۂ کربلا کو یاد کرنا ہی رہا۔ صنفِ سلام میں امتدادِ زمانہ کے تحت کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ آج کا سلام میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے سلاموں سے کئی معنوں میں مختلف ہے۔ آج کے سلام کا لہجہ نیا ہے اس میں عصرِ حاضر کے مسائل کے ساتھ ساتھ کربلا کی کہانی اور امامِ حسینؑ پر اشک فشانی ملتی ہے۔ ساتھ ہی اس میں منقبت کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ آج کا "سلام" حمد ونعت، منقبت وقصیدہ اور مرثیہ کی آمیزش کی ایک مخصوص ومنفرد شکل ہے۔

ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی اردو ادب کے ایسے شاعر ہیں جن کی فکری پرواز نہایت بلند ہے انھوں نے اردو شاعری کی مختلف اصناف میں کامیاب طبع آزمائی کی ہے۔ اس سلسلے سے ان کی متعدد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ فی الوقت ان کے سلاموں کا مجموعہ "چراغِ عزا" میرے سامنے ہے۔ جس میں ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی کی عقیدت وعقیدے کے ساتھ ساتھ ان کی شعری صلاحیتیں بھی آشکار ہیں۔ بلاشبہ عصرِ حاضر میں موصوف نے صنفِ سلام کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا ہے۔ مثلاً ان کے سلام میں صنفِ غزل کی طرح بہترین علامتیں پائی جاتی ہیں جن میں روایتی رنگ کے ساتھ ساتھ جدید لہجہ بھی نمایاں ہے۔ مثال کے لئے کچھ اشعار اس طرح ہیں:

تیرگی رقص نہ کر تیرا ابھی ٹوٹے گا غرور
ایک سورج ابھی باقی ہے نکلنے کے لئے

ظاہر ہے شعر میں "تیرگی" زمانے کے ظلم و استبداد سے عبارت ہے اور "سورج" ایک ایسے مسیحا کی طرف اشارہ ہے جس کی آمد کی ساری کائنات منتظر ہے اور جس کی آمد "تیرگی" یعنی ظلم وجور کا خاتمہ کر دے گی۔ یعنی شعر میں "سورج" کے پیرائے میں امام مہدیؑ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ شعر محدود نہیں یہ شعر ہر اس شخص کی نشاندہی کرتا ہے جو حق کا پرستار ہے اور باطل کا منکر۔ اسی طرح ایک شعر ہے:

سرپھری ساری ہواؤں کو خبر ہونے تک
کچھ دیئے ہم کو جلانے ہیں سحر ہونے تک

ظاہر ہے کہ "سرپھری ہواؤں" سے مراد باطل ہے اور وہ مصائب ہیں جن سے انسانیت دوچار ہوتی ہے، جبکہ "دیئے" سے مراد عزم وحوصلہ لئے جا سکتے ہیں ساتھ ہی یہ ان کی بھی علامت ہو سکتا جو راہِ حق میں اپنی جان ومال قربان کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی جہاں ادب پر گہری نگاہ رکھتے ہیں وہیں اپنے گرد وپیش کے مسائل کو بھی رشحاتِ قلم میں سمو لیتے ہیں۔ وہ پُرآشوب زمانے کے کرب و تکالیف کو "شامِ غریباں" کے آئینے میں دیکھتے ہیں اور علامت بناتے ہیں۔ شعر ہے:

حد سے بڑھی جو شامِ غریباں کی سرکشی
مٹھی سے ایک بچے کے جگنو نکل پڑے

"شامِ غریباں" جہاں مصائبِ اہلِ بیتؑ کی عکاس ہے وہیں اس سے منسلک "اندھیرہ" غم واندوہ کے ساتھ ساتھ معاشرے کی تصویر کشی بھی کرتا ہے۔ موصوف اس لفظ کو علامت بنا کر کہتے ہیں:

لہو سے ہم نے جلائے تھے وہ دیئے جن سے
تمام عمر اندھیروں کے پاؤں جلتے رہے

لیکن وہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی شکل سے مایوس نہیں بلکہ کربلا کا واقعہ ان کی طاقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اسی لئے "شامِ غریباں" بھی انھیں حوصلہ عطا کرتی ہے اور وہ اس کے آگے "صبحِ نو" اور "چاندرات" کو بھی خاطر میں نہیں لاتے کیوں کہ وہ مقصدِ شامِ غریباں سے آشنا ہیں۔ کہتے ہیں:

نہ صبحِ نو نہ کوئی چاندرات آنکھوں میں
فقط ہے شامِ غریباں کی بات آنکھوں میں

ان کے یہاں "یزید" محض کربلا کے واقعے تک محدود ایک کردار نہیں بلکہ وہ ہر دور میں ایک یزید دیکھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

اس شان سے یزید سے اب جنگ کیجئے
اشکِ عزا کو اپنے لہو رنگ کیجئے

یعنی "یزید" ہر دور کی ظالم وجابر طاقتوں کی علامت ہے اور "اشکِ عزا" اس کے خلاف ایک احتجاج کا نام ہے۔

ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی جہاں صنفِ سلام کو علامتوں سے مزین کرتے ہیں وہیں ان کے یہاں بہترین استعارے اور تشبیہات کی فراوانی بھی نظر آتی ہے۔ پہلے چند اشعار ایسے ملاحظہ کریں جن میں حسین اور منفرد انداز میں استعارے پیش کئے گئے ہیں:

سجدے سے سر کسی کو اٹھانا تو ہے نہیں
اب خنجروں سے ڈرنا ڈرانا تو ہے نہیں

جل اٹھیں گے ذہن میں شامِ غریباں کے چراغ
اپنے بچوں کو کبھی بھوکا سلا کر دیکھنا

قریب دیکھا جو رومالِ فاطمہ زہراؑ
ستارے آ کے مری آنکھوں میں ٹہلتے رہے

پہلے شعر میں "خنجروں" سے مراد فوجِ یزید ہے۔ دوسرے شعر میں "چراغ" حق کی سربلندی، حوصلے اور عزم کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ تیسرے شعر میں "ستارے" آنسوؤں کی بات کرتے ہیں۔ گویا کہ ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی جہاں علامتوں کو برتنے کا طریقہ وسلیقہ جانتے ہیں وہیں استعارے کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے یہاں بہترین تشبیہات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً:

تم درِ شبیرؑ پر جس کو سمجھتے ہو چراغ
غور سے دیکھو کہیں وہ میری پیشانی نہ ہو

عقیدت ومودت سے لبریز اس شعر میں اپنی پیشانی کو چراغ سے تشبیہ دینا اس بات کی وضاحت ہے کہ شاعر کی شاعرانہ فکر اور پروازِ تخیل کس قدر بلند ہے۔ اسی طرح موصوف کو عزاخانہ جنت لگتا ہے۔ کہتے ہیں:

عزاخانے سے میں گھر کو کہاں جاتا ہوں اپنے
مجھے جنت میں ہی رہنے کی عادت ہو گئی ہے

وہ غمِ حسینؑ کو اپنی زندگی میں مقدم رکھتے ہیں اور روک ٹوک کے باوجود وہ اس سے روگردانی نہیں کرتے۔ کہتے ہیں:

کسی بھی فتوے سے اشکِ عزا نہ رک پائے
ہوائیں چلتی رہیں یہ چراغ جلتے رہے

وہ فرشِ عزا کو عرشِ معلیٰ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ شعر ہے:

آ کے جب مہمان زہراؑ کا گھرانہ ہو گیا
پھر مرا فرشِ عزا عرشِ معلیٰ ہو گیا

وہ فرزندانِ علیؑ کو "دیوں" اور باطل کی طاقتوں کو "ہوا" سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

علیؑ کے بیٹے ہیں ڈرتے نہیں ہیں مرنے سے
سبھی دیوں کو ہوا پر عبور ایک سا ہے

ان کے یہاں امام حسینؑ کا سر "دستارِ محمدؐ" ہے۔ شعر ہے:

تجھے خبر ہے یہ دستار ہے محمدؐ کی
یزید تشتِ طلا میں جو سر حسینؑ کا ہے

صنفِ سلام کربلا کے واقعے کے ساتھ ساتھ مختلف واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یعنی اس میں متعدد تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی بھی تلمیحات کے برتنے کا خوب ہنر جانتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیں:

ذوالعشیرہ میں جو پہلی بار گونجی تھی کبھی
کربلا پھر سے ابوطالبؑ کی وہ للکار ہے

جتنا جی چاہے محمدؐ کو ستا لیں کافر
خیریت ہے ابوطالبؑ کو خبر ہونے تک

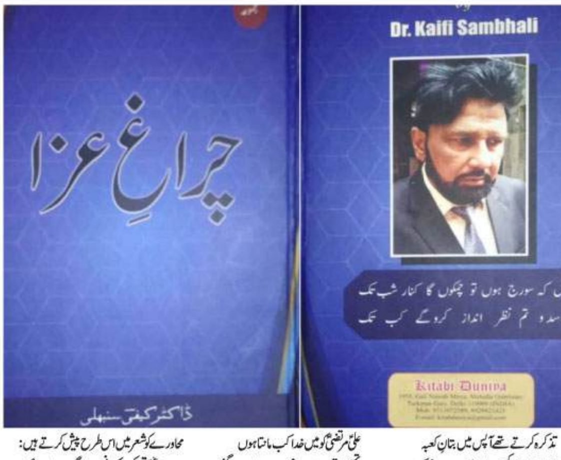

تذکرہ کرتے تھے آپس میں بتانِ کعبہ
ہم ہیں مہماں کسی دیوار میں در ہونے تک

جب بدن میں ضعف کچھ محسوس ہوتا ہے انھیں
اوڑھ لیتے ہیں نبیؐ زہراؑ کی چادر یک بہ یک

بھیج کر قاتل کو شربت کہہ گئے مولا علیؑ
دشمنوں سے اپنے حسنِ انتقام ایسا تو ہو

تحریر کئے گئے اشعار میں ظاہر ہے واقعۂ کربلا نہیں ہے لیکن حیاتِ اسلام کے مختلف مشہور واقعات موجود ہیں اور جتنے واقعات ہیں وہ کربلا کے واقعے کی تمہید ہی ہیں۔

ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی کے سلام میں ان کی عقیدت اور عقیدہ واضح طور پر نمایاں ہے۔ جس کا اظہار وہ بار بار کرتے رہتے ہیں۔ کچھ اشعار ان کے عقیدے اور عقیدت پر مبنی رقم کئے جاتے ہیں:

گرتے ہوئے جو میں نے کہا یا علیؑ مدد
پردے سے دو کٹے ہوئے بازو نکل پڑے

علیؑ مرتضیٰؑ کو میں خدا کب مانتا ہوں
تمہیں تو بے سبب مجھ سے عداوت ہو گئی ہے

بن گیا کیفیؔ وہی آخر شفاعت کا سبب
اشک اک رومالِ زہراؑ میں ہمارا مل گیا

دامنِ کرب وبلا کو تھام لے کیفیؔ اگر
ہر بلائے ناگہانی سے الگ ہو جائے گا

ان کے یہاں محاروں کا بھی خوبصورت استعمال نظر آتا ہے۔ جس سے ان کا کمالِ فن ظاہر ہے۔ کہتے ہیں:

عزادارانِ شہ کی بادشاہت ہو گئی ہے
سنا ہے آج تو جنت بھی جنت ہو گئی

ظاہر ہے شعر میں "جنت ہونا" جس خوبصورتی کے ساتھ لفظِ جنت کے ساتھ ہی نظر آتا ہے وہ شاعر کو بے ساختہ داد دینے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی طرح "چلّو بھر پانی" محاورے کا شعر میں استعمال کرتے ہیں۔ شعر ہے:

ڈوب کر مرنا اگر چاہے تو مر جائے یزید
چلّو میں عباسؑ کے تھوڑا سا پانی اور ہے

وہ "دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی" جیسے محاورے کو شعر میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

حرؑ ستم کی ہر کہانی سے الگ ہو جائے گا
دودھ ہے تو خود ہی پانی سے الگ ہو جائے گا

ڈاکٹر کیفیؔ سنبھلی کی سلام گوئی پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے مختصر کہیں تو ان کی سلام نگاری میں برجستگی، تازگی، شگفتگی، خوبصورت الفاظ کا خوبصورت استعمال، تشبیہات، تلمیحات، استعارے، علائم، محاورے، عقیدت وعقائد، زورِ تخیل اور کہیں کہیں خودستائش بھی نظر آتی ہے۔ ساتھ ہی مصائب کے میدان میں بھی وہ دلدوز اشعار رقم کرتے ہیں اور اس ضمن میں بھی ندرتِ خیال سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً:

جلتی زمیں پہ دیکھا جو لاشہ حسینؑ کا
مرقد سے ایک بی بی کے گیسو نکل پڑے

مجموعی طور پر ان کے سلام نہ صرف جذبات و کیفیات سے منسلک ہیں بلکہ ان کے یہاں ادب کے تمام تر تقاضے بھی پائے جاتے ہیں۔

9219782014:

☆☆☆☆

امام باڑہ آغا میر

ڈاکٹر روشن تقی

امام باڑوں کا شہر لکھنؤ، شہر لکھنؤ کی شناخت امام باڑوں سے تھی اور ہے۔شہر لکھنؤ کی تہذیب عزا کو تمام دنیا کے انسانیت نواز شرفاء نے مانا، پہچانا اور اس کی خوش اخلاقی سے دل کھول کر تعریف کی۔میر انیس فرماتے ہیں:

ہم شانِ خلد کوچہ و بازار لکھنؤ
جامِ جہاں نما در و دیوار لکھنؤ
حوریں بھی آتی ہیں پئے دیدار لکھنؤ
حق سے ملائکہ ہیں طلبگار لکھنؤ
ہر شخص کی زباں پہ ہے چرچا حسین کا
سایہ ہے لکھنؤ پہ شہ مشرقین کا

اور ماہ عظیم آبادی فرماتے ہیں:

کون کہتا ہے برا رضوان تیرے خلد کو
ملتی جلتی تھی مگر طرزِ بہار لکھنؤ
چہاردہ معصوم کی اس میں ہے ہر نقل ضریح
بڑھ گیا جنت سے بھی بیشک وقار لکھنؤ

مسلم اور غیر مسلم حضرات نے یہاں خوبصورت تعمیرات کیں۔

مسجد کا گرچہ سب سے بڑا احترام ہے
لیکن امام باڑہ بھی عالی مقام ہے
وہ آستانِ حق یہ مکان امام ہے
بندے جو ہیں سو رات دن ان کا یہ کام ہے
سجدہ اگر ادھر ہے تو اُدھر بھی سلام ہے
دونوں مکانِ عرش سے رکھتے ہیں ہمسری
جنت میں قصر جنت اعلیٰ سے برتری
اوج بیاں سے ان کی صفت ہے، بہت بڑی
کہتے ہیں دیکھ حور و ملک آدم و پری
سجدہ اگر ادھر ہے تو اُدھر بھی سلام ہے

یہ اوج یہ صفت اور یہ تعمیرات، اسی لئے لکھنؤ کی شناخت تھی، امام باڑوں کا شہر، لیکن وقت نے کروٹ بدلی سیاسی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔اور سماجی قدروں میں تیزی سے تنزلی ان تعمیرات کی بربادی کی وجہ بن گئی۔دیکھتے ہی دیکھتے نہ معلوم کتنے امام باڑے، آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئے۔ ان میں سے کچھ کے نام بھی مل جاتے ہیں۔امام باڑہ ملکہ زمانی، امام باڑہ نواب امیر مرزا، امام باڑہ منصف الدولہ، امام باڑہ سرفراز الدولہ، امام باڑہ انیس الدولہ، امام باڑہ بشیر الدولہ، امام باڑہ عظیم اللہ خاں، امام باڑہ الماس علی خاں اور ایک لمبی فہرست ہے ان امام باڑوں کی جو زمین دوز ہو گئے یا کر دیئے گئے۔ کچھ امام باڑے ایسے بھی ہیں جن کی عمارت موجود ہے لیکن اب وہ نام یا امام باڑہ نہیں ہیں۔ انہیں امام باڑوں کی فہرست میں ایک نام ہے امام باڑہ آغا میر۔

معتمد الدولہ آغا میر اودھ کے پہلے بادشاہ غازی الدین حیدر کے وزیر تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کے ولی عہد اور دوسرے بادشاہ نصیر الدین حیدر کے بھی کچھ عرصہ کے لئے وزیر کے عہدے پر قائم رہے۔نصیر الدین حیدر کی بادشاہت کے شروعاتی دور میں ہی آغا میر کی بد قسمتی کا دور شروع ہو گیا۔اور آغا میر کو بہر حال لکھنؤ سے رخصت ہو کر گنگا پار کانپور میں رہائشی اختیار کرنا پڑی۔اپنی وزارت کے دور میں معتمد الدولہ آغا میر نے بہت سی تعمیرات کرائیں جو ان کے نام سے ہی منسوب رہیں۔سرائے آغا میر، ڈیوڑھی آغا میر کربلا آغا میر کچہری آغا میر، اور امام باڑہ آغا میر، موجودہ دور میں جو سٹی اسٹیشن ہے اس کی پشت پر دو عمارتیں ہیں۔شمال کی جانب جو عمارت ہے آج کل اس میں ایل ٹی ٹریننگ کالج چلتا ہے وہ آغا میر کی کچہری تھی اسی سے ملحق جانب جنوب جو عمارت ہے آج کل اس میں جبلی انٹر کالج ہے۔یہی جبلی انٹر کالج ہی گزشتہ زمانے کا امام باڑہ آغا میر ہے۔۔زرد رنگ سے پتی ہوئی یہ عمارت امام باڑہ آغا میر ہے۔آغا میر کی تعمیر کردہ ساری عمارتیں زرد رنگ سے پتی ہوئی ہیں۔امام باڑہ آغا میر اور کچہری آغا میر کی تعمیر زمانہ غازی الدین حیدر میں ہوئی تھی اور ان کے درمیان فیل خانہ تھا جس کی دوڑ موجودہ سٹی اسٹیشن کے رمنہ تک تھی۔

اس فیل خانہ میں ایک ہاتھی ایسا بھی تھا جو جلوس ہائے محرم کے سلسلہ میں بادشاہ کے در دولت پر بھیجا جاتا تھا۔ واقعہ ہے کہ وہ محرم میں مجالس میں گریہ کرتا تھا اور اپنی آواز میں نوحہ پڑھتا تھا۔علامہ ادیب شیخ احمد بن محمد بن ابراہیم انصاری یمنی شیروانی نے اپنی کتاب ''مناقب حیدری'' میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے خود 5 محرم کی مجلس میں جو در دولت پر تھی اپنی آنکھوں سے اس ہاتھی کو روتے ہوئے اور عجیب غم ناک آوازیں نکالتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس امام باڑہ آغا میر کی اصل عمارت اُس وقت کی اعلیٰ تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔اس کی کرسی زمین سے تقریباً چار فٹ اونچی ہے۔کرسی کی سطح سے امام باڑے کا فرش تقریباً ایک فٹ اونچا ہے۔کرسی کی زمین اور فرش کی کئی مرتبہ مرمت ہونے کی وجہ سے اب اس کی اونچائی کچھ کم دکھائی دیتی ہے۔اس وقت رائج تعمیری طریقت کے مطابق امام باڑے کے داخلہ کے لئے۔پانچ در ہیں جن کی اونچائی پندرہ فٹ ہے۔تقریباً ساٹھ فٹ لمبے اس حال کے کئی حصہ کر کے ان میں تدریس کے لئے درجات بنا دے گئے ہیں۔شاہ نشین جو ہر امام باڑے کی پہچان ہوتی ہے اس کا راستہ بدل دیا گیا ہے اور اس وقت اس میں اسکول کا ایک دفتر کام کر رہا ہے۔تعمیر کی ساخت اور خوبصورتی کو دیکھنے سے یہ انداز ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر بھی اس وقت موجود یا تعمیر ہونے والے دوسرے امام باڑوں کی طرح ہی ہے۔کنگورے دار در، اور الٹی قاب کی طرح پٹاؤ کی چھت۔چھت کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس میں لوہے کے شہ تیر لگا دیئے گئے ہیں۔امام باڑے کے سامنے لق و دق میدان ہے اور غیر مستند روایات کے مطابق یہاں ایک نہر بھی تھی جو ایام عزا میں امام باڑے کی خوبصورتی کو دوبالا کرتی تھی۔

1856ء میں آخری تاجدار اودھ کی معزولی کے بعد اور لکھنؤ سے ان کی رخصت ہونے کے بعد فرنگی سرکار محمد علی شاہ کے لائق داماد محسن الدولہ کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلہ میں مذاکرات کا دور شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اسی دوران 1857ء کی جنگ آزادی چھڑ گئی۔ جنگ آزادی شروع ہو جانے اور طویل عرصہ یعنی تقریباً ایک سال تک خانہ جنگی کے نتیجہ میں شہر کی بربادی بہت زیادہ ہو گئی اور تمام ہندوستانیوں کے دل میں انگریز گوروں کے لئے نفرت بھر گئی۔اس جنگ میں اودھ کی فوج کو شکست ہوئی۔ فتح یاب فوج اور حکومت نے حکومت سازی ہوتے ہی پورے شہر کو نزول میں بدل دیا اور سب زمین و جائیداد پر قبضہ کر لیا۔

وہ پُر آشوب دور تھا جب کچھ طے کر پانا بہت مشکل تھا۔نواب ملکہ جہاں نے اس حکم پر اعتراض کیا کہ حکم شاہی کی رو سے آغا میر کے لکھنؤ سے رخصت ہونے کے بعد یہ علاقہ اصولاً بادشاہ محمد علی شاہ کی جائیداد ہے اور کیوں کہ وہ میرے شوہر تھے اس لئے ان کے بعد یہ علاقہ اور جائیداد کی وارث صرف اور صرف ہماری ذات ہے۔اس کی تائید محترمہ بادشاہ بیگم نے خود اپنے زمانے میں ہمارے حق میں کر دی تھی۔اس لئے کربلا آغا میر امام باڑہ اور کچہری کو نزول سے خارج کر کے ملکہ جہاں کے نام داخل کیا جائے۔اس وقت آغا میر کے بڑے صاحب زادہ امین الدولہ مہر بھی لکھنؤ واپس آ گئے تھے۔انہوں نے بھی محترمہ ملکہ جہاں کے اس خط پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔حالات منتقلی میں ہونے کی وجہ سے کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔اس لئے کچھ وقت کے لئے مکمل خاموشی رہی۔

اس درمیان ملکہ جہاں زیارت کے لئے کربلا عراق چلی گئیں۔کربلا عراق سے واپسی پر بمبئی میں پانی کے جہاز سے اترتے وقت ان کو دل کا دورہ پڑا اور وہیں وفات پائی۔ ان کا جسد خاکی تدفین کے لئے واپس کربلائے معلیٰ بھیج دیا گیا۔

1862ء میں پہلے تصفیہ کے وقت دوسرے بہت سے شاہی خاندان کے افراد کئی دوسری جگہوں پر چلے گئے تھے۔ملکہ جہاں بھی یہاں نہیں تھیں۔حکومت نے ملکہ جہاں سے ملاقات کرنے اور مذاکرات شروع کرنے کے لئے دعوت نامہ بھیجا۔ملکہ جہاں نہیں تھیں وہ خط یا دعوت نامہ ان کے مختار کو موصول ہوا۔فرنگی سرکار سے ملکہ جہاں کے مختار کا کوئی رابطہ نہیں ہو سکا انگریز افسران نے ملکہ جہاں کی عدم موجودگی میں ان کے مختار کی گذارش سننے سے انکار کر دیا۔ملکہ جہاں کے مختار عام کی اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ تکرار کرتے لہٰذا پہلی تصفیہ یعنی 1862ء کا پہلا سٹل منٹ کو منظوری دے دی گئی۔اور وہ تمام املاک جو سرکار کے قبضہ میں تھی نزول کی ہو گئی۔

پانچ برسوں کے بعد 1867ء میں منشی نول کشور نے نزول میں ایک درخواست لگا کر آغا میر کے امام باڑے کی عمارت اور آراضی کو اپنے نام الاٹ کروا لیا۔یہ وقت دوسرے تصفیہ یعنی سکنڈ سٹل منٹ کا تھا۔منشی نول کشور نے اس کے الاٹ کا مقصد بچوں کی تعلیم رکھا تھا۔ فرنگیوں کو اس میں اپنا فائدہ دکھائی دیا۔وقت گزرتا رہا اس کی تباہ حالی کا۔آغا میر کی اولاد اس پر دعویٰ نہیں کر پائیں اور نہ ملکہ جہاں کو اس میں کچھ ملا۔

1886ء میں ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی گولڈن جبلی کا جشن منایا گیا۔امام باڑہ آغا میر کی عمارت اور آراضی کو اپنے قبضہ میں لے کر فرنگی سرکار نے اس میں جبلی اسکول کی شروعات کی۔ وہی جبلی اسکول جو آج جبلی کالج کے نام سے مشہور ہے۔اور اسی امام باڑہ آغا میر کی عمارت میں چل رہا ہے۔

☆☆☆

کربلا: صبح امن

عظمت علی

تاریخ عالم کے صفحات پر اَن گنت واقعات تحریر ہوئے لیکن واقعہ کربلا اپنی منفرد شناخت کے باعث ہمیشہ انسانی ذہن میں تازہ رہتا ہے۔ اس کا یہ جاویدانی کردار انسانی حیات کے ہر گوشہ میں کار فرما ہے۔کربلا میں دو آفاقی نظریات حق و باطل کی تاریخ ملتی ہے۔ہمیں کربلا میں ہوئی جنگ کو عالمی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔امام حسین علیہ السلام کو ہم عالمی رہنما اور نجات دہندہ مانتے ہیں اور یزید کو کائنات کا غلیظ ترین انسان۔ہمارا ماننا ہے کہ امام نے نانا کے دین اسلام اور انسانیت کی خاطر قربانی دی اور آپ نے ہر مقام پر انسانیت کا خیال رکھا، فساد، خونریزی اور قتل سے خود کو الگ رکھا۔جیسا کہ مدینہ سے نکلتے وقت محمد ابن حنفیہ سے فرمایا کہ میں ظلم وفساد کے لیے نہیں بلکہ نانا کے دین کی اصلاح کے لیے قیام کر رہا ہوں یعنی امام حسین علیہ السلام نے حکومت یزید کے خلاف جنگ نہیں چھیڑی تھی بلکہ آپ نے اَمن عالم وانسانیت کی بقا کے لیے قیام کیا تھا...!

اگر ہم تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ کریں تو ہمارے سامنے بہت سی باتیں واضح ہو جائیں گی۔جس وقت یزید حاکم وقت بنا، اس نے پوری مملکت سے بیعت لینا شروع کر دیا۔مدینہ میں بھی فرمان گیا کہ تمام لوگوں سے بیعت لے لی جائے۔'اس نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابو سفیان' کے نام ایک خط ارسال کر کے معاویہ کی موت کی خبر دی اور ساتھ ہی ایک مختصر تحریر میں ولید کو حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لینے، زبردستی بیعت لینے اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں سر قلم کرنے کا حکم دیا'۔

(مقتل الحسین، ابو مخنف الاردی ص: 3 اور 180، الفتوح، ابن اعثم کوفی، ج:5، ص 9–10)

عوام نے یزید کی موافقت کی مگر اہل بیت علیہم السلام نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔امام حسین علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا گیا۔آپ نے انکار بیعت کیا اور مدینہ کو الوداع کہہ دیا۔امام نے اہل بیت علیہم السلام کے ہمراہ مکمل اَمن وسکون سے شہر مدینہ کو خیر آباد کہہ دیا۔آپ نے اَمن وسکون کو برقرار رکھا، اپنی جان بچائی لیکن کسی تحریک کا آغاز نہیں کیا۔ہاں مگر حکومت کے ارادے میں خون آشامی کی چالیں ضرور شامل تھیں۔

امام اپنے خانوادہ کے ہمراہ مکہ تشریف لاتے ہیں۔ وہاں بھی حکومتی ہرکارے اپنی خفیہ چالیں چلنے لگے۔امام کے قتل کا منصوبہ بنایا جانے لگا آپ نے لوگوں کو یزید کے برے ارادوں سے آگاہ کیا۔ اُدھر کوفہ کے خطوط، مثبت حالات کا عندیہ دے رہے تھے۔امام نے غور وفکر کیا۔جناب مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔پھر جناب مسلم کے مثبت خط نے امام کو بھی بلا لیا مگر کوفہ پہنچتے تک حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔امام نے یہاں بھی کسی خونی انقلاب سے پرہیز کیا اور مسلم بن عقیل کے خون کا انتقام لیے بغیر راہ مستقیم پر رواں رہے۔

آپ اَمن کے پیغمبر ہیں۔پُر امن طریقہ سے راہ کی مسافت طے کر رہے ہیں۔درمیان راہ میں لشکر حر تا کہ بندی کر دیتا ہے۔امام نے یہاں بھی انسانیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور انسان دوستی کی بہترین مثال قائم کر دی۔آپ نے لشکر حر کے لیے شدید تشنگی میں سبیل آب فراہم کیا۔جانوروں کی مکمل پیاس بجھائی گئی۔پورے سفر میں کہیں جذبہ انتقام کی بات نہیں، صراط مستقیم رواں دواں ہے۔

امام حسین علیہ السلام دو محرم کو کربلا کے میدان میں آ گئے ہیں۔ ساتھ ہی حر کا لشکر بھی ہے۔آپ نے زمین کربلا پر قیام سے پہلے اسے خریدا کیوں کہ آپ کو علم تھا کہ یہیں شہید ہونا ہے، یہیں حرم ہوگا۔ اس لیے کسی اور کی زمین پر کیوں......؟ چاروں سمت سے یزیدی لشکر آ رہا ہے۔آپ پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔خیام حسینی منتقل کر دیئے گئے مگر آپ مسلسل صبر سے کام لے رہے ہیں۔سبیل آب پر پہرا بٹھایا گیا پھر بھی امام لشکر اعدا سے یہی خطاب کرتے کہ جنگ سے ہاتھ کھینچ لو۔ اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تمہارے دلوں میں خوف آخرت بھی نہیں ہے تو کم از کم دنیا میں تو آزاد رہو۔

پسر سعد سے کہا کہ کیوں دنیاوی لالچ میں اندھے ہوئے جا رہے ہو۔ تمہیں 'شہرِری' کی حکومت کا ایک گیہوں (دانا) تک نصیب نہیں ہونے والا۔امام نے ایک دن کی مہلت مانگی کہ شاید یہ ہوش کے ناخن لے لیں مگر دنیاوی حرص نے ان کی آنکھوں سے بصیرت چھین لی تھی۔

شب عاشور امام نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا: تم میں سے جو جانا چاہتا ہے، اسے آزادی حاصل ہے۔جنت کی ضمانت میں لیتا ہوں۔امام کے ساتھ چند لوگ تھے اور اسلحے بھی نہیں، اگر امام کو لہو تحریک پر عمل درآمد کرنا ہوتا تو پھر لشکر کو جانے کی اجازت اور جنت کی ضمانت معنی ندارد! امام کا یہی عمل ثابت کرتا ہے کہ آپ نے اَمن وانسانیت کی مہم اور نانا کے دین کی اصلاح کے لیے مدینہ کو الوداع کیا تھا۔

حر جو کل تک امام حسین علیہ السلام کا دشمن تھا، شب عاشور جنت و جہنم کے مابین سرگرداں ہے۔ ایک بار مہاجر بن اوسؓ نے پوچھ ہی لیا کہ کیا سوچ رہے ہیں، بہت پریشان دکھ رہے ہیں؟ چہرے پر پژمردگی کے آثار نمایاں ہیں۔حر نے جواب دیا کہ جنگ طے ہے، جنت وجہنم کا فیصلہ ہے، سعادت وشقاوت کا فیصلہ ہے اور یہ ایک فیصلہ ساری زندگی میں انقلاب برپا کرنے والا ہے۔ اب حر کی بصیرت بیدار ہو گئی۔آنکھوں پر پٹی باندھی۔در حسین پر جبہ سائی کی۔حسین کیا میری خطا معاف ہو سکتی ہے.....؟

امام نے جواب دیا: کیوں نہیں...!

اب حر دنیاوی لذت سے آزاد ہو گئے۔ انہیں رونق دنیا گھٹا ٹوپ اندھیرا نظر آنے لگی۔بصیرت کی نگاہ سے دیکھا تو جنت کا فیصلہ کیا۔امام نے حر سے کسی انتقامی کارروائی کی گفتگو نہیں کی بلکہ آپ نے انہیں عزت و کرامت بخشی۔امام جب اپنے باوفا اصحاب سے جدا ہو گئے اور اپنے اعزاء واقارب کی جدائی بھی برداشت کر لی۔اب بھی امام کا کلیجہ ہے کہ آپ نے جنگ بندی کی پیش کش کی۔کربلا کے میدان میں امام، آخری وقت تک جنگ بندی کی کوششیں کرتے مگر لشکر یزید قتل وغارت گری پر مصر تھا۔

دور حاضر میں امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کے بغیر اَمن عالم اور ظلم سے آزادی کا تصور ممکن نہیں۔ کربلا سے جس نے کچھ سیکھا، اس نے دنیا کو بہت کچھ سکھایا۔مہاتما گاندھی، نیلسن منڈیلا اور آیۃ اللہ خمینی کے انقلاب میں روح کربلا رواں تھی۔ خونریزی کے بغیر جنگ فتح کرنا ہو تو کربلا کے علاوہ کوئی انتخاب نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کے ہر قدم پر صلح و مصالحت کی بات کی، کشت وکشتار سے کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔

چند بے سروسامان ساتھیوں کے ساتھ حکومت وقت سے کون جنگ کرتا ہے.....؟

کیا لوگوں کی کثرت سے کنارہ کشی کرنے والا حکومت قائم کر سکتا ہے؟

بغیر اسلحہ اور اہل خانہ کے ہمراہ جنگ کے لیے کون نکلتا ہے؟

یہ سوالات منہ بولتے ثبوت ہیں کہ امام حسین علیہ السلام جنگ کے مخالف اور اَمن کے پیغمبر ہیں۔

Mobile Number: 9517269196

صفحہ نمبر دو کا بقیہ.............صفحہ نمبر دو کا بقیہ

سلام گوئی کی ہیئت اور موضوعات ایک تحقیقی جائزہ

دبیرؔ کے سلاموں پر عموماً مرثیت کا رنگ غالب رہتا ہے اور ان میں غزلیت کا عنصر بالکل نہیں پایا جاتا، جس کے سبب ان کے سلاموں کے اشعار کی شناخت میں دشواری نہیں ہوتی۔

لیکن انیسؔ کے سلام کے اشعار کی شناخت میں کئی موقعوں پر اس وجہ سے مشکل پیش آتی ہے کہ ان کے سلاموں کے بعض اشعار رثائی عناصر سے پوری طرح خالی ہوتے ہیں اور بعض مواقع پر تو ان پر غزلیت کا رنگ اس قدر غالب رہتا ہے کہ وہ غزل کے ہی اشعار معلوم ہوتے ہیں۔

انیسؔ کے سلام کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
غلط یہ لفظ یہ بندش نئی یہ مضموں سست
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو
خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اگر چہ اسی سلام میں ایک شعر ایسا بھی ہے جو سلام کی کسی بھی تعریف پر صادق نہیں آتا نہ کسی زاویہ اور کسی پہلو سے سلام کی صنف کی روح سے مطابقت اور مناسبت رکھتا ہے پھر بھی اس سلام میں شامل ہے اور میر انیسؔ کے تقریباً ہر مجموعہ سلام میں پایا جاتا ہے۔

وہ شعر ہے ؎

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیال صنعت صانع ہے پاک بینوں کو

جب کہ اسی سلام میں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جو سلام کی تعریف پر پوری طرح صادق آنے کے ساتھ ساتھ واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ ۵؎ کی بھی مکمل نمائندگی کرتے ہیں۔

انیسؔ کے سلام کے اس رنگ کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں ؎

غضب ہے اہل ستم اس میں جائیں درانہ
جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو
لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو
انہیں کو آج نہیں بیٹھنے کی جا ملتی
معاف کرتے تھے جو لوگ کل زمینوں کو

انیسؔ کے دیگر سلاموں میں بھی مندرجہ بالا رنگ اور مزاج کے اشعار پائے جاتے ہیں۔بطور مثال ایک اور سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

خیال آ گیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہاں سے جو اصغر تو مسکرا کے چلے
رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے
انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

عام طور پر سلاموں کا مزاج اور ان کا بنیادی عنصر حزنیہ ہوتا ہے، جو اس صنف کا وصف اور خاصہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس صنف کا بنیادی مطالبہ بھی ہے۔لیکن انیسؔ کے سلاموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر انیسؔ نے اپنے سلاموں کو حزن وطرب کا سنگم بنا دیا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے اپنے سلاموں میں رثائی مضامین کی شمولیت سے جس طرح کا انحراف کیا ہے، وہ دوسرے سلام نگاروں کے یہاں نہیں پایا جاتا، نہ اس طرح کی طرفگی دوسرے سلام نگاروں کے یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔

سلاموں کے موضوعات، مضامین اور کرداروں کا تعلق مذہب، عقیدے اور عقیدت سے ہونے کے باوجود ترقی یافتہ زمانے کے سلاموں کے بہت سے اشعار نہ براہ راست مذہب سے تعلق رکھتے ہیں نہ عقیدے اور عقیدت سے۔بلکہ ان میں ایک خاص قسم کی آزادہ روی اور آزاد خیالی پائی جاتی ہے۔ان سلاموں میں کثیر تعداد ایسے اشعار کی ہوتی ہے جن میں مذہبی موضوعات کے ساتھ ساتھ بڑے سلیقے سے واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ کو باندھا گیا ہے۔

سلام کی صنف کی جتنی بھی تعریفیں اب تک نظر سے گذریں ان میں سے کوئی بھی تعریف نہ سلام نگاری کے تمام ادوار کا احاطہ کرتی ہے نہ سلاموں میں پائے جانے والے مضامین اور ہیئت کا۔

اصناف سخن اور شعری ہیئتیں میں شمیم احمد، سلام کی صنف کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ایک مخصوص قسم کی نظم ہوتی ہے، جو عموماً غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے اور جس میں مرثیے کی مانند کربلا کے واقعات کا ذکر اور شہدائے کربلا کے فضائل حسنہ کے بیانات نظم کیے جاتے ہیں۔اسی کے ساتھ مختلف اخلاقی مضامین بھی لائے جاتے ہیں۔'' ۶؎

ابتدائی دور کے سلام صرف رثائی مضامین کے نظم کئے جانے تک محدود ہوا کرتے تھے اور ہیئت کا انتخاب شاعر کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا۔ لیکن ترقی یافتہ دور سے لیکر موجودہ زمانے تک منفردہ یا غزل کی ہیئت سلاموں کے لیے مخصوص تصور کی جاتی ہے۔

ترقی یافتہ دور سے پہلے منفردہ کی ہیئت میں صرف درگاہ قلی خاں درگاہؔ کا سلام ملتا ہے جس میں سلام کی صنف کی موجودہ تعریف اور شرائط کی مکمل پاسداری کی گئی ہے۔

اگر چہ درگاہؔ کے سلام بھی کئی ہیئتوں میں ہیں۔لیکن منفردہ کی ہیئت میں پایا جانے والا ان کا ایک سلام زبان کی صفائی، شستگی، روانی، فصاحت و بلاغت ودل آویزی اور دیگر فنی کمالات سے آراستگی اور اپنی قدامت کے اعتبار سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس سلام میں انہوں نے اپنے فن کا ہمہ گیر مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی طبیعت کے بھرپور جوہر دکھائے ہیں۔

پیش ہے منفردہ کی ہیئت میں پایا جانے والا درگاہ کا ایک مکمل سلام ؎

ادب سے فاتحہ پڑھ کر کہو نبیؐ پہ سلام
نبیؐ کے قوت بازو علیؑ ولی پہ سلام
جناب اقدس خاتون حشر پر صلوٰت
شہید جرعۂ زہر ہلاہلی پہ سلام
لڑے ہیں جا کے ہزاروں سیں یا تن تنہا
شہ سریر شجاعت مہابلی پہ سلام
یتیم و بیکس و مظلوم عابد و سجادؑ
وہ نور چشم وجگر گوشۂ علیؑ پہ سلام
محیط علم لدُنی محمدؑ باقر
پناہ روز قیامت کی کھلبلی پہ سلام
امام جعفر صادقؑ منور ملت
شعاع آئینۂ دین صیقلی پہ سلام
امام موسیٰ کاظمؑ قسیم نار و نعیم
بہار نادِ علی وسیع جلی پہ سلام
امام ثامن ضامن گل ریاض رضا
شہ سریر ریاضت زکی رضی پہ سلام
امیر ملک سخاوت شہ جواد و کریم
تقیؑ و متقی و مہدیؑ زکی پہ سلام
گل حدیقۂ احساں امام ہر دو جہاں
بہار باغ ولایت علی نقی پہ سلام
حسام لشکر و صمصام خوں فشانِ مصاف
مث یریشۂ اسلام عسکری پہ سلام
ادب سے بندہ درگاہ بھیجتا ہے مدام
جناب اقدس اثنا عشر ولی پہ سلام ۷؎

مسیح الزماں نے درگاہ قلی کی سلام گوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''سر سالار جنگ کے کتب خانہ میں ان کے انیس مرثیے اور اکیس سلام ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مرثیہ گوئی کے میدان میں صرف حصول ثواب کی نیت سے قدم نہیں رکھا بلکہ اس میدان میں اپنی طبیعت کا زور دکھایا۔حسن اتفاق سے ان مرثیوں پر سال تصنیف پڑا ہوا ہے۔یہ مرثیہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء سے لیکر ۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء تک میں لکھے گئے ہیں......سلاموں میں دس مربع کی شکل میں ہیں۔'' ۸؎

درگاہؔ سے پہلے ابوالقاسم مرزاںؔ ایسے سلام گو شاعر ہیں جو سلام کی صنف کی ان تمام شرائط کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں جو تعریفیں بعد میں سلام کی صنف کا بنیادی وصف قرار پائیں۔یعنی مرزاںؔ کے سلاموں میں پائے جانے والے اوصاف آگے چل کر سلام کی صنف کی تعریف کا جز قرار پائے۔گویا مرزاںؔ کے سلاموں کے اوصاف ترقی یافتہ زمانے میں سلام کی صنف کی تعریف اور محک ومیزان تصور کئے گئے۔

حوالہ جات

(۱) فرہنگ آصفیہ، جلد سوم۔ص: ۸۷ (۲) ایضاً (۳) مہذب اللغات، جلد ششم۔ص: ۴۵۱ (۴) ایضاً (۵) کاشف الحقائق۔جلد اول (حصہ دوم) ص: ۱۷۷ (۶) اصناف سخن اور شعری ہیئتیں۔ص: ۱۹۶ (۷) مرقع سخن۔جلد اول۔ص: ۳۶ (۸) اردو مرثیے کا ارتقا۔(ابتدا سے انیسؔ تک) ص: ۸۳۔۸۴

کتابیات

۱۔اردو مرثیے کا ارتقا (ابتدا سے انیس تک)۔مسیح الزماں۔پہلی اشاعت ۱۹۶۸۔طباعت نظامی پریس لکھنؤ۔ناشر: کتاب نگر، دین دیال روڈ لکھنؤ۔

۲۔اصناف سخن اور شعری ہیئتیں از شمیم احمد۔ایجوکیشنل بک ہاؤس۔مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڈھ۔مطبع: ایم۔کے۔آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۲۰۱۴ء

۳۔فرہنگ آصفیہ جلد سوم۔مولفہ مولوی سید احمد دہلوی۔ترقی اردو بورڈ۔تقسیم کار: نیشنل اکادمی، ۹۔انصاری مارکیٹ، دریا گنج۔پن کوڈ۔۱۱۰۰۰۶، ۴؍۱۹۷۴ء، نیشنل اکادمی دہلی نے ترقی اردو بورڈ، وزارت تعلیم وسماجی بہبود، حکومت ہند کے لیے جید پریس بلیماران، دہلی سے چھپوا کر شائع کیا۔

۴۔کاشف الحقائق۔امداد امام اثرؔ۔جلد اول (حصہ دوم) سن اشاعت ۱۹۸۲ء۔ترقی اردو بیورو نئی دہلی

۵۔مرقع سخن۔مدیر عمومی۔ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔مطبوعہ۔اعظم اسٹیم پریس۔چارمینار حیدرآباد دکن۔۱۹۳۵ء

۶۔مہذب اللغات مولفہ مہذبؔ لکھنوی۔صدر کل ہند انجمن محافظ اردو لکھنؤ۔بہ اہتمام: انوار الحسن انور رائے بریلوی۔ناشر: مقرب لکھنوی۔مطبوعہ: سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔پتہ: محافظ اردو بک ڈپو منصور نگر۔نیا محل لکھنؤ۔سن اشاعت ۱۹۶۹ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

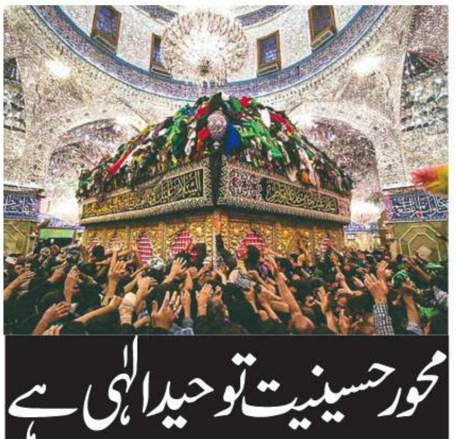

محور حسینیت توحید الٰہی ہے

تقدیس نقوی

عاشورہ محرم الحرام سنہ 60 ھجری کو جب منافقین کے ہاتھوں قصر توحید الٰہی کے ستون منہدم کئے جارہے تھے اس وقت حضرت امام حسین ابن علی علیہ السلام نے زخمی پیشانی سے ریگزار کربلاء پر اپنے خالق کے لئے سجدہ بجالاکر قیامت تک کے لئے توحید الٰہی کو بچالیا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے دین الٰہی کی بقا کی خاطر اپنے نانا کے مرقد پر نور سے جدا ہونا اور اہل حرم اور اپنے اصحاب کے ساتھ تین دن کی بھوک اور پیاس کے ساتھ جام شہادت پینا قبول کرلیا مگر توحید الٰہی کو قیامت تک محفوظ کردیا۔ اگر امام عالی مقام بیعت فاسق سے علی الاعلان انکار نہ کرتے تو آج دنیا میں دین الٰہی کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔

امام مظلوم کی یہی عظیم قربانی آج توحید الٰہی کی اساس ہے جس میں ان کا اور انکے ساتھیوں کا خون آج بھی رواں دواں ہے۔ امام مظلوم کی اسی قربانی کی مرہون منت ہی آج دین اسلام سرخرو ہے۔ شہید انسانیت اگر کربلا میں پرچم توحید بلند نہ کرتے تو دنیا کے گوشے گوشے میں آج یہ مسجدوں سے لاالہ الا اللہ کی صدائیں بلند نہ ہوتیں۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کو نظم کر کے حسینیت اور توحید الٰہی کے باہمی ربط کو تاریخ کے اوراق پر قیامت تک کے لئے ثبت کردیا ہے:

حقا کہ بنائے لاالہ است حسین" یعنی یہی حق ہے کہ امام حسین ع ہی کلمہ توحید کی اساس ہیں۔

یزید نے تو سوال بیعت کے ساتھ ہی انکار وحی الٰہی کردیا تھا اور دین اسلام کو بنی ہاشم کا رچایا ہوا کھیل بتایا تھا۔ یہ امام حسین علیہ السلام کی ہی قربانی تھی جس نے یزید ایسے منکر توحید الٰہی کو قیامت تک کے لئے نیست ونابود کردیا۔

تاریخ گواہ ہے جب دشمنان دین نے حجتہ خدا کی امن سے زندگی بسر کرنے کی تمام راہیں مسدود کردیں اور امام کے پاس بجز اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شہادت پیش کرنے کے اور کوئی راستہ باقی نہ رہا تو امام نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان دشمنان خدا ورسول سے اک شب کی مہلت صرف عبادت الٰہی اور تسبیح وتحلیل کرنے کے لئے مانگی تھی۔ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے امام مظلوم کی اس خواہش کی بے حرمتی کرتے ہوئے خود دشمن نے جواب دیا تھا کہ اے حسین ع تمہاری یہ نمازیں اور عبادتیں اگر تمہیں بچاسکتی ہیں تو یہ اک شب کی مہلت لے لو۔ یعنی اس وقت اک جانب امام حسین ع ارکان دین کو قائم کررہے تھے تو دوسری جانب منافقین دین الٰہی کو ختم کرنے کی تیاری کررہے تھے۔

صبح عاشور تیروں کی بارش میں نماز ادا کرکے حجتہ خدا نے ساری دنیا کو یہ پیغام دیا تھا کہ ہماری جانوں سے زیادہ اہم اور عظیم ہمارے لئے عبادت الٰہی ہے جس کے لئے ہم اپنا سب کچھ قربان کررہے ہیں۔

فوج اعدا کا مورخ حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ مہلت ملنے کے بعد ساری شب عاشور خیام حسینی سے تسبیح وتحلیل الٰہی کی آوازیں آتی رہیں جو اس حقیقت کا اعلان تھیں کہ امام حسین علیہ السلام یہ شہادت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے، اس کی توحید کی حفاظت کے لئے پیش کررہے ہیں۔ معرکہ کربلا میں قدم قدم پر امام عالی مقام اپنے ہر عمل سے اپنے مقصد جہاد کو واضح کرتے جارہے تھے۔

امام حسین علیہ السلام کا محافظت دین اسلام کا یہ آفاقی مشن ان کی شہادت کے ساتھ روز عاشورہ ختم نہیں ہوا تھا بلکہ وقت عصر روز عاشور امام مظلوم نے صدائے استغاثہ "کون ناصر ومددگار ہے جو میری مدد کرے" بلند کر کے قیامت تک آنے والے ہر اہل ایمان کو اپنے اس مشن میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ امام عالی مقام کی ہدایت پر ان کے اسی مشن کو جاری اور باقی رکھنے کا نام حسینیت ہے۔ حسین ابن علی ع کی توحید الٰہی کی محافظت کرنے کی تاسی اور پیروی کرنے کو ہی حسینیت کہتے ہیں۔

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق قرآن واہلبیت سے تمسک ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے مگر تمسک قائم رکھنے کے لئے پہلے قرآن واہلبیت کی معرفت ہونا ضروری ہے۔ معرفت سے مراد ان ہستیوں کے اسوئے حسنہ، ان کے مقاصد اور ان کی عظمت کو پہچاننا تاکہ ان کے قول وعمل کا اتباع کیا جاسکے۔ اس لئے ہر حسینی کو اتباع امام حسین ع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حسینی مقصد کی پیروی کرے۔

کیونکہ حضرت امام حسین ع نے کربلا کے ذریعہ یہ پیغام واضح کردیا ہے کہ حسینیت کا اولین مقصد محافظت توحید الٰہی اور دین اسلام ہے۔ لہذا ہر حسینی اپنے ہر عمل سے اس مقصد حسینی کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ یہی ائمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ بھی ہے۔ اب وہ رسوم عزاداری ہوں یا زیارات مزارات مقدسہ ائمہ معصومین علیہم السلام ہر موقع پر توحید الٰہی کو سب سے زیادہ مقدم رکھا گیا ہے۔

معتبر روایات میں زیارت روضہ مقدس امام حسین ع کے آداب میں سب سے مقدم اور افضل عمل یہ بتایا گیا ہے کہ زائر امام قصد زیارت کرنے سے پہلے اپنی زبان پر کلمہ توحید اس طرح جاری کرے:

لاالہ الا اللہ واللہ اکبر والحمدللہ "

ترجمہ: نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اللہ بزرگ تر ہے اور حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔

اس عمل سے ہر حسینی یہ اعلان کرتا ہے کہ زیارت امام حسین علیہ السلام کا ہدف اور مقصد اس کے توسط سے معرفت الٰہی حاصل کرنا ہے۔

زیارت امام حسین ع کے یہ الفاظ مقصد حسینیت کو بار بار دہرا کر توحید الٰہی کی محافظت کی جانب دعوت دیتے ہیں:

ترجمہ: "میں گواہ ہوں کہ آپ نے {امام حسین ع} نماز قائم رکھی، زکواۃ دیتے رہے، آپ نے نیک کاموں کا حکم دیا، اور برے کاموں سے روکا اور آپ نے خدا کی خالص بندگی کی حتی کہ آپ شہید ہو گئے۔ سلام ہو آپ پر خدا کی رحمت اور اس کی برکات ہوں۔"

وقت زیارت قبر مبارک کے قریب کھڑے ہو کر اللہ رب العزت کی یہ تسبیح جو خالصتاً توحید الٰہی کی معرفت کا اظہار ہے اس طرح پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے:

ترجمہ: پاک ہے وہ جس کے خزانے ختم نہیں ہوتے، پاک ہے جس کی نشانیاں مٹتی نہیں، پاک ہے وہ کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ فنا نہیں ہوتا، پاک ہے وہ جس کے حکم میں اس کا کوئی شریک نہیں، پاک ہے وہ جس کا افتخار کم نہیں ہوتا، پاک ہے وہ جس کی زندگی کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا، پاک ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں"

زیارت کے ساتھ ہی بارگاہ الٰہی میں نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ صاحب مرقد اللہ تعالیٰ کے ایسے منتخب بندے ہیں جنھوں نے معرفت الٰہی کے باب وا کئے ہیں ورنہ اک عام انسان یہ استطاعت کہاں رکھتا ہے کہ جو اللہ کی وحدانیت کا اس طرح اظہار کرسکے جو اس کا حق ہے۔ زیارت امام کے تمام ارکان عبادت الٰہی پر منتج ہوتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ معرفت الٰہی حاصل کرنے کا واحد راستہ تمسک اہلبیت علیہم السلام ہے۔

مومن کو قرب الٰہی کی سعادت انہیں معصومین علیہم السلام سے تمسک اور قرب حاصل کرکے ملتی ہے۔ ان نمازوں میں بھی ان قرآنی سوروں کی تلاوت کرنے کی تاکید کی گئی ہے جنھیں برکتوں کا خزانہ کہا جاتا ہے اور جو قرب الٰہی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور باعث اجر وثواب ہیں۔

اس عبادت سے حاصل ہوئے اجر وثواب ہی کو موالیان معصومین علیہم السلام کے لئے بارگاہ الٰہی میں ہدیہ کرتے ہیں اور ان معصوم ہستیوں پر برکتوں کے نزول کی دعا صلواۃ پڑھ کر کی جاتی ہے جس کا حکم قرآن کریم کے سورہ احزاب کی آیت نمبر 56 میں دیا گیا ہے۔

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پر صلوات بھیجتے ہیں تو اے صاحبان ایمان تم بھی ان پر صلوات بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو"

یہی اک منفرد ایسی عبادت ہے جس میں اپنے بندوں اور ملائکہ کے ساتھ خود رب العزت بھی شامل ہوتا ہے۔

کربلا میں حرم امام حسین علیہ السلام کے اندر داخل ہونے سے قبل اک اذن دخول پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ اذن بظاہر تو اسی طرح لگتا ہے جس طرح لوگ دنیاوی بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے سے قبل اجازت طلب کرتے ہیں مگر اس کی عبارت اور اسلوب سے صاف ظاہر ہوتا کہ یہ زیارت سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا ہے تاکہ زیارت معصوم توحید الٰہی کی معرفت کا وسیلہ قرار پائے۔ دعا کے جملے اس طرح ہیں:

خدا بزرگ تر ہے، بہت بزرگ حمد ہے خدا کے لئے بہت بہت اور پاکی ہے خدا کی ہر صبح اور شام، حمد ہے خدا کے لئے جس نے ہمیں یہ راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر خدا ہمیں راستہ نہ دکھاتا، بے شک خدا کے رسول حق کے ساتھ آئے۔"

حرم امام حسین علیہ السلام میں بعد زیارت دو رکعت نماز امام مظلوم کو ہدیہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے مگر اس تنبیہ کے ساتھ کہ یہ نماز قبر مبارک کے بالکل سامنے نہ ہو تاکہ یہ نماز خالصتاً قربت الٰہی کے لئے ادا کی جائے۔ اس نماز میں سورہ یاسین اور سورہ رحمن کی تلاوت کرنے کا بہت اجر وثواب بتایا گیا ہے۔ یہ دونوں سورے قرب شہید کربلا میں ذکر توحید الٰہی کرنے کا عظیم واسطہ ہیں۔ اس طرح زیارت امام حسین علیہ السلام کے توسط سے زائر کو قرب الٰہی حاصل کرنے کا بابرکت موقعہ نصیب ہوتا ہے۔

عصر عاشور جنگ کے آخری مرحلہ میں اپنی تلوار نیام میں رکھتے ہوئے امام کی زبان پر جو کلمہ حق جاری ہوا اس سے مقصد حسینی تاریخ میں قیامت تک کے لئے محفوظ ہوگیا۔

امام فرمارہے تھے:

میرے مالک تو جانتا ہے اور بہتر جانتا ہے کہ میں نے صرف تیری محبت میں سب سے ہاتھ اٹھالیا ہے اور فقط تیرے دیدار کے شوق میں اہل وعیال کو چھوڑ دیا اور بچوں کو یتیم بنادیا ہے۔ مالک تیرے دیدار عشق میں میرے ٹکڑے کردئے جائیں تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف جھک نہیں سکتا"

یوم عرفہ دعا عرفہ میں امام حسین علیہ السلام نے معرفت الٰہی کے جو باب منکشف کئے ہیں انہیں ہر اہل ایمان اپنی روح میں اتار کر قرب الٰہی حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔

یہ بارگاہ الٰہی میں امام حسین علیہ السلام کی اک طویل دعا ہے جس کے ابتدائی کلمات سے ہی اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے:

حمد ہے خدا کے لئے جس کے فیصلے کو کوئی بدلنے والا نہیں کوئی اس کی عطا والا نہیں کوئی اس جیسی صفت والا نہیں اور وہ کشادگی کے ساتھ دینے والا ہے اور اس نے قسم قسم کی مخلوق بنائی۔ اے سب سے زیادہ سننے والے اے سب سے زیادہ دیکھنے والے اے سب سے تیز حساب کرنے والے اور اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے رحمت نازل فرما محمد وآل محمد پر"

عزاداری امام حسین علیہ السلام کو عبادت کا مقام بھی اسی بنیاد پر دیا جاتا ہے کہ اس کے وسیلہ سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے ذکر حسین ع ذکر الٰہی سے جدا نہیں ہوتا۔ ہر مجلس حسینی کی ابتدا تلاوت کلام الٰہی سے کی جاتی ہے۔ واقعات کربلا اور امام مظلوم کے قربانی کو کلام الٰہی کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے۔

شب وروز عاشورہ جو اعمال بجائے لائے جاتے ہیں وہ صرف نمازوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاوں پر مشتمل ہیں۔ شب عاشور میں سو رکعات نماز میں سورہ توحید پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ان ایام میں توحید الٰہی کا ورد ہوتا رہے۔ اس رات کی اک دعا میں بھی حمد باری تعالیٰ اس طرح کی گئی ہے:

پاک تر ہے اللہ حمد اللہ ہی کے لئے ہے نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اللہ بزرگ تر ہے اور نہیں ہے کوئی حرکت و قوت مگر وہی جو خدائے بلند برتر سے ملتی ہے۔"

ان دعاوں کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے استغفار کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

عزاداری کی صورت میں چودہ سو سال سے حسین مظلوم کی قربانی کی یاد تازہ کرنا ہی دراصل توحید الٰہی کی محافظت کرنے کے عہد کا احیاء کرنا ہے کیونکہ حسینیت کا محور ہی توحید الٰہی ہے۔

☆☆☆☆

شہادت حسین: کا تاریخی پس منظر!

مولانا محمد محفوظ قادری

نواسہ رسول، حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کے لخت جگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کی 10 محرم الحرام کو (کربلا کے میدان میں) شہادت واقع ہوئی ہے اور یہ واقعہ تاریخ اسلام میں قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہے کیونکہ آپ کی یہ جنگ حق اور باطل کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین مبین کی بقاء کی خاطر تھی۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ اس دین مبین کو ایسی بقاء عطا فرمائی کہ آج تک نہ کوئی اس دین حق کو مٹا سکا ہے اور نہ کوئی صبح قیامت تک اس دین کو مٹانے کی جرأت کرسکتا ہے کیونکہ اس دین حق کا حامی و ناصر اللہ رب العزت خود ہے۔

مناقب حسینؓ: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش مبارک 5 شعبان المعظم 4ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا اسم مبارک حسین اور شبیر رکھا، آپ کی کنیت ابوعبداللہ، اور لقب سبط رسول، ریحانۃ الرسول ہے۔ آپ کو بڑے بھائی (حسن رضی اللہ عنہ) کی طرح جنتی جوانوں کا سردار اور فرزند بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل بنت الحارث، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ ایک دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کی یارسول اللہ! آج میں نے ایک پریشان کرنے والا خواب دیکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا وہ کیا ہے۔۔؟ عرض کی وہ بہت ہی شدید ہے۔ ان کو اس خواب کے بیان کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی مرتبہ معلوم کرنے پر عرض کیا کہ میں نے دیکھا جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔ (حضور علیہ السلام نے) ارشاد فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، انشاء اللہ فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کے بیٹا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ ایسا ہی ہوا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دیئے گئے۔ ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت امام حسین کو رسول اللہ کی گود میں دیا، کیا دیکھتی ہوں کہ (آپ) کی چشم مبارک سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں، میں نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ کیا حال ہے۔ فرمایا (پیارے رسول نے) جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ میری امت اس فرزند کو قتل کرے گی، میں نے کہا: کیا اس کو۔۔؟ فرمایا ہاں! اور میرے پاس اس کے مقتل کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (رواہ البیہقی فی الدلائل)۔ احادیث میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبریں کثرت سے آئیں ہیں۔ ابن سعد وطبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے جبریل نے خبر دی کہ میرے بعد میرا فرزند حسین زمین "طف" میں قتل کیا جائے گا، جبریل امین میرے پاس یہ مٹی لائے، انہوں نے عرض کی یہ حسین کی خواب گاہ (مقتل) کی خاک ہے۔ طف قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)۔ حضرت فاطمہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (حسین) سینے سے قدم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، اور شواہد النبوہ میں آپ کے حسن وجمال کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپ کی مبارک پیشانی اور رخساروں سے روشنی نکل کر قرب وجوار کو روشن کردیتی تھی۔ اپنے دونوں نواسوں حسنین کریمین کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے تاجدار کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

یزید بن معاویہ: ابوخالد اموی وہ بدنصیب شخص ہے کہ جس کی پیشانی پر پیارے رسول کے اہل بیت کو بے گناہ قتل کرنے کا سیاہ داغ ہے۔ ہر زمانے میں دنیائے اسلام "یزید" پر ملامت کرتی رہی ہے اور تاقیامت کرتی رہے گی۔ یہ بدبخت، سیاہ دل، ننگ خاندان 25ھ میں امیر معاویہ کے گھر میسون بنت بحدل کلبیہ کے پیٹ سے پیدا ہوا بہت ہی موٹا، بدنما، کثیر الشعر، بدخُلق، تُند خُو، فاسق، فاجر، شرابی، بدکار، ظالم، بے ادب اور گستاخ تھا۔ عبداللہ بن حنظلہ ابن الغسیل رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ہمیں اندیشہ ہوگیا کہ اس کی بدکاریوں کے سبب آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں۔ محرمات کے ساتھ نکاح، سود اور منہیات کو اس نے اعلانیہ طور پر رائج کیا۔ مدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ کی اس نے بے حرمتی کرائی۔ اصحاب اسرار وفراست اس وقت سے ڈرتے تھے کہ سلطنت اس شقی و بدبخت کے ہاتھ میں نہ آجائے۔ 59ھ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اللہم انی اعوذ بک من رأس الستین وامارۃ الصبیان "اے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں 60ھ کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے" اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو حامل اسرار تھے وہ سمجھتے تھے کہ 60ھ کا آغاز لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے اسی وجہ سے انہوں نے 59ھ میں مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ رویانی نے اپنی مسند میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا "میری سنت کو سب سے پہلے بدلنے والا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا"۔ ابویعلی نے اپنی مسند میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں عدل وانصاف قائم رہے گا، یہاں تک کہ پہلا رخنہ انداز وبانی ستم بنی اُمَیّہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا" (سوانح کربلا، مصنف صدر الافاضل، مرادآبادی)۔ بہرحال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رجب 60ھ۔680ء میں یزید بن معاویہ خلیفہ مقرر ہوا اس کی عمر 24 سال تھی۔ حضرت امیر معاویہ یزید کی خلافت کیلئے اپنی حیات میں ہی سب سے بیعت لے چکے تھے سوائے مکہ اور مدینے کے مقتدر حضرات کہ جن میں حضرت امام حسین، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، اور عبدالرحمان بن ابی بکر نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا تھا۔ باپ کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو یزید کو تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے ان حضرات سے بیعت لینے کی فکر ہوئی۔ یزید نے مدینہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو خط لکھا کہ امیر معاویہ کی موت اور میرے تخت نشیں ہونے کا کسی کو علم ہو اس سے پہلے تم حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر سے جس طرح بھی ممکن ہو میری بیعت حاصل کرلو، اس فرمان کے حاصل ہوتے ہی ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کو اپنے پاس بلایا۔ یہ دونوں حضرات اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ولید کے پاس پہنچے، ولید نے امیر معاویہ کی وفات کی ان حضرات کو خبر دی اور یزید کے حق میں بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ یہ سن کر حضرت امام حسین نے فرمایا مجھ جیسے لوگ چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتے سب کو جمع کرو اور مجمع عام میں بیعت لو ولید امن پسند حاکم تھا یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا اور حضرت امام حسین وہاں سے رخصت ہونے لگے تو مروان نے ولید سے کہا کہ اگر تم نے ان سے آج بیعت نہیں لی تو پھر کبھی موقع نہیں مل سکے گا یا تو ان سے زبردستی بیعت لو یا پھر بیعت نہ کرنے کا ان سے انتقام لو، مروان کے یہ جملے سن کر حضرت امام حسین نے پیچھے کو پلٹ کر کہا دوسروں کو بزدلانہ مشورہ کیوں دیتے ہو اگر ہمت ہے تو خود ہی مقابلہ پر آجاؤ یہ حسینی جذبات سن کر مروان گھبرا گیا اور حضرت امام حسین کی خوشامد کرنے لگا بہر حال حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر وہاں سے واپس آگئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے مع متعلقین مکہ کو جانے کی تیاری شروع کردی، حضرت عبداللہ بن زبیر اسی رات مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوگئے مگر حضرت امام حسین ایک یا دو دن کے بعد روانہ ہوئے، روانگی سے قبل حضرت امام حسین مع اہل وعیال اپنے نانا جان تاجدار کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا اور مدینہ سے جدائی کا غم لیکر اہل بیت کا یہ چھوٹا سا مقدس قافلہ مدینہ سے مکہ کیلئے روانہ ہوگیا۔

کوفیوں کی طرف سے خطوط کا ملنا: عراقیوں کی حالت بہت عجیب تھی یہ ایک طرف امیر معاویہ کے بہت بڑے مخالف اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سچا عاشق بن کر دکھاتے تھے لیکن جب امیر معاویہ سے مقابلہ کا وقت آتا تو یہ میدان سے بھاگتے ہوئے نظر آتے لیکن جب بھی ان کو موقع ملتا تو یہ عاشقان اہل بیت بن کر میدان میں ضرور آجایا کرتے تھے خواہ ان کو میدان چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ یزید کی تخت نشینی کے بعد یہ عاشقان ایک بار پھر میدان میں آگئے اور انہوں نے حضرت امام حسین کے مکہ پہنچنے کے بعد سینکڑوں خطوط بھیج کر حضرت امام حسین سے درخواست کی سارا عراق آپ کے ساتھ ہے کوفہ آکر ہم سب مسلمانوں کو یزید کی ناپاک حکومت سے بچالیجئے، اور کوفیوں کا ایک وفد بھی اپنا معروضہ لیکر حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اہل کوفہ اور پورا عراق آپ کے ساتھ ہے آپ ہمارے ساتھ چل کر حکومت سنبھال لیجئے۔ حضرت امام حسین نے ان کا یہ جوش وجذبہ دیکھ کر خود جانے کے بجائے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ مسلم بن عقیل وہاں کا معائنہ کرکے صحیح حالات سے مطلع کریں۔

ہزار ہا کوفیوں کا بیعت کرنا: مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید ثقفی کے یہاں قیام کیا اور کوفی گروہ در گروہ مسلم بن عقیل کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور مسلم بن عقیل کو یقین دلایا کہ ہم حضرت امام حسین پر اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرنے کی قسمیں کھاتے ہیں اُس وقت کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر تھے ان کو معلوم ہوا کہ یزید کی حکومت کا تختہ پلٹنے کیلئے مختار بن عبید کے گھر پر مسلم بن عقیل کے ذریعہ سازشیں ہورہی ہیں، تو نعمان حاکم نے مختار اور دوسرے لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ اس فتنہ پردازی سے باز آجائیں لیکن انہوں نے کوئی سخت قدم نہیں اُٹھایا۔ نعمان کی اس تنبیہ کے بعد مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان پر منتقل ہوگئے اور یہاں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرت امام حسین کی خلافت کیلئے بیعت کرلی، یہ عقیدت ومحبت دیکھ کر مسلم بن عقیل نے حضرت امام حسین کو خط لکھا کہ یہاں ہر طرح سے حالات سازگار ہیں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر آپ کے حق میں بیعت کرلی ہے آپ تشریف لے آئیے۔

مسلم بن عقیل کی شہادت اور کوفیوں کی غداری: عبیداللہ بن زیاد کیلئے یہ بہت ہی دشوار وقت تھا اس کے پاس صرف پچاس آدمی تھے اور حفاظتی انتظامات بھی مکمل نہیں تھے ابن زیاد نے کوفہ کے سرکردہ حضرات پر زور دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو واپس بلائیں اور اعلان کریں کہ جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا اسے انعام سے نوازہ جائے گا اور جو مخالفت کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، اس اعلان کو سن تے ہی تمام کوفی جو امام حسین کے حق میں مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے ان کا جوش وجذبہ ٹھنڈا ہوگیا اور مسلم بن عقیل کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ابن زیاد کی دھمکی سے ڈر کر مسلم بن عقیل سے الگ ہوگئی، اور کچھ لوگوں نے سرکردہ حضرات کے کہنے پر انعام کے لالچ میں آکر مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا غرض کہ اٹھارہ ہزار کے مجمع میں سے صرف تیس آدمی اُن کے ساتھ باقی بچے، اس طرح کوفیوں نے غداری کر کے اپنی قدیم روایت کو زندہ کیا، مسلم بن عقیل نے جب کوفیوں کی غداری دیکھی تو پہلے آپ نے ایک مکان میں پناہ لی لیکن غداروں نے اس مکان کا بھی پتہ بتادیا اور ابن زیاد کی فوج نے اس مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا آپ نے اپنے آپ کو گھرا ہوا دیکھ کر جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فوج سے مقابلہ شروع کردیا تیس آدمی جو آپ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے وہ بھی فرار ہوگئے اور آپ اکیلے لڑتے رہے یہاں تک آپ زخموں سے چور ہوکر گر پڑے اور آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو ابن زیاد نے آپ کو قتل کرادیا۔ آپ نے شہادت سے قبل عمر بن سعد جو ان کا قریبی عزیز اور اموی حکام میں سے تھا اس کو یہ وصیت کی حضرت امام حسین کو یہاں کے تمام حالات وواقعات سے آگاہ کردیں اور ان کو راستہ سے ہی واپس کردینا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی: کوفہ میں قیامت برپا ہوچکی تھی اور حضرت امام حسین مکہ سے کوفہ کی طرف سفر کی تیاری میں مصروف تھے مسلم بن عقیل کا وہ خط کہ جس میں اٹھارہ ہزار کوفیوں کی بیعت کی خبر تھی اس نے حضرت امام حسین کو شک میں ڈال دیا تھا حضرت امام حسین سے محبت کرنے والے لوگ جن میں خاص طور سے عمر بن عبدالرحمان، عبداللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر ان سب ہی لوگوں نے آپ کے اس فیصلہ کی مخالفت کی اور آپ کو گذشتہ غداریوں اور دھوکہ دہی کے واقعات یاد دلائے لیکن آپ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ عبداللہ بن عباس نے دیکھا کہ آپ ماننے کو تیار نہیں ہیں اور کوفہ جا کر ہی رہیں گے تو انہوں نے آپ سے گزارش کی کہ اہل عیال کو ساتھ لیکر نہ جاؤ، لیکن اللہ کا حکم کچھ اور تھا ساری کوششیں وتدابیر ناکام ہوگئیں اور حضرت امام حسین کے ارادے میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی بلکہ بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ چاہنے والوں نے جب آپ کو کوفہ جانے سے روکنے کی زیادہ کوشش کی تو حضرت امام حسین نے فرمایا کہ نانا جان نے مجھے بذریعہ خواب یہی حکم دیا ہے کہ میں اس کو پورا کروں! اور میرا سر جائے یا رہے۔ بہرحال آپ اپنے چاہنے والے عزیزوں اور رشتہ داروں کو روتا ہوا چھوڑ کر اہل بیت کے مختصر قافلہ کو لیکر ذی الحجہ 60ھ کو کوفہ کیلئے روانہ ہوئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزیدی فوج: حضرت امام حسین راستہ میں ہی تھے کہ کوفہ سے آنے والے لوگوں نے مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی یہ خبر سن کر آپ کو بے حد رنج وغم ہوا اور ساتھ میں چلنے والوں نے مشورہ دیا کہ یہیں سے کوفہ جانے کا ارادہ ملتوی کردیا جائے لیکن مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا کہ ہم واپس نہیں ہوں گے یا تو ہم اپنے بھائی کا بدلہ لیں گے یا ہم بھی اپنی جانیں قربان کردیں گے اور سفر جاری رہا اس قافلہ کو آگے چل کر عمر بن سعد کا بھیجا ہوا قاصد ملا جو مسلم بن عقیل کی وصیت کے مطابق حضرت امام حسین کو کوفہ جانے سے روکنے کیلئے آرہا تھا آپ نے اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مسلم بن عقیل اور ہمدرد ساتھیوں کو شہید کردیا گیا ہے کوفیوں نے اپنا وعدہ توڑ دیا ہے حالات نازک ہیں تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہے جاسکتا ہے آپ کے اس فرمان کے بعد جو لوگ راستہ میں سے شامل ہوئے تھے واپس ہوگئے۔ ابن زیاد کو مکہ سے حضرت امام حسین کی روانگی کی خبر ہوچکی تھی اس نے حُر بن تمیمی کو ایک ہزار کا لشکر لیکر حضرت امام حسین کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا اور حکم دیا کہ امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر میرے پاس لے آؤ۔ حُر کے دل میں حضرت امام حسین کی بہت زیادہ محبت وعظمت تھی حُر نے امام حسین کے قافلہ کو گھیر کر ان کو موقع دیا کہ وہ رات کے وقت کسی اور طرف نکل جائیں لیکن حضرت امام حسین نے کسی اور طرف جانا گوارہ نہیں کیا اور یہ قافلہ آگے کو بڑھتا رہا اور یہ مقدس قافلہ 2 محرم الحرام 61ھ کو کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ 3 محرم کو عمر بن سعد بھی چار ہزار کا لشکر لیکر حضرت امام حسین سے مقابلہ کیلئے کربلا کے میدان میں پہنچ گیا، یہ امام حسین کا عزیز تھا مگر اس کو رَئے کی حکومت کا لالچ دیکر بھیجا گیا تھا۔ عمر بن سعد کیلئے یہ امتحان کا وقت تھا سوچنے لگا کہ اگر امام حسین اور انکا قافلہ اس کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے تو وہ قیامت تک کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا اور اگر جنگ سے بھاگتا ہے تو رَئے کی حکومت ہاتھوں سے جاتی رہے گی۔ عمر بن سعد نے سوچا کہ کسی بھی طرح آپس میں سمجھوتا کرادیا جائے لیکن اس کی یہ تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور 7 محرم کو ابن زیاد کی طرف سے اسے حکم ملا کہ دریا پر پہرا لگا دو تاکہ اہل بیت کو پانی بھی میسر نہ ہوسکے، لیکن پہرے کے باوجود بھی حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی عباس بن علی لڑ جھگڑ کر پانی لے ہی آتے تھے۔

شمر سے مقابلہ: ابن زیاد کو عمر بن سعد پر شک ہوگیا کہ یہ امام حسین سے ملا ہوا ہے اس لئے ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن کو امام حسین کے مقابلہ کیلئے بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھا کہ تم نے حسین سے مصالحت کیلئے کئی دن برباد کردیئے ہیں میرے اس حکم کے ملتے ہی یا تو حسین سے بیعت لیکر میرے پاس لے آؤ یا پھر جنگ شروع کردو۔ عمر بن سعد کو 9 محرم کو جب یہ حکم ملا تو اس کے دل کی حالت بھی بدل گئی اور دنیا دین پر غالب آگئی۔ اور رَئے کی حکومت کے لالچ میں سعد نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ سختی سے پیش آنا شروع کردیا حضرت امام حسین پر زور دیا گیا کہ وہ یزید کی خلافت قبول کرلیں اور اس کیلئے آپ کے گھر والوں کو طرح طرح سے ستایا گیا، معصوم بچوں کو پانی سے تڑپایا گیا، عورتوں کے خیموں کو آگ لگانے کی ناپاک کوشش کی گئی مگر حضرت امام حسین کے ارادے ذرہ برابر سرد نہ ہوسکے اور آپ اپنی بات پر پتھر کی چٹان کی طرح قائم رہے۔ نہ سختیاں آپ کے قدم پیچھے کو ہٹا سکیں اور نہ دنیوی عیش وآرام آپ کے قدم ڈگمگا سکا آپ برابر یزید کی بیعت سے انکار کرتے رہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت: آخر 10 محرم الحرام 61ھ کو حق وباطل کی وہ جنگ چھڑ ہی گئی جس پر انسانیت قیامت تک آنسو بہا کر شرمسار ہوتی رہے گی جنگ شروع ہونے سے قبل امام حسین نے اپنے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور ساتھیوں سے کہا کہ میرے ساتھ اپنی جانوں کو قربان نہ کرو لیکن مردوں، عورتوں اور بچوں نے آپ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی بہن حضرت زینب نے جب بھائی اور پورے خاندان کو جنگ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو رونے لگیں آپ نے انکو تسلی دی اور صبر سے رہنے کو کہا، جنگ شروع ہوگئی ایک طرف حضرت امام حسین کے قافلہ میں 72 افراد جن میں 22 اہل بیت کے جوان اور خاندان نبوی کی کچھ خواتین اور غلام چھوٹے اور بڑے تین روز سے بھوکے پیاسے شامل تھے۔ دوسری طرف چار ہزار پر مشتمل یزیدی لشکر تھا یزیدی لشکر جب ان معصوموں کی جانب بڑھنے لگا تو یزیدی فوج کے ایک نیک دل سردار حُر نے اسے روکنا چاہا لیکن لشکر نہیں رکا تو حُر اور اس کے چند ساتھی حضرت امام حسین کی حمایت میں لڑنے لگے اور لڑ کر جان دیدی۔ حضرت امام حسین کے قافلہ میں اگرچہ گنے چنے آدمی تھے وہ بھی تین دن کے پیاسے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک نے جرأت وبہادری کی ایسی مثال پیش کی جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا ان میں سے ایک ایک یا دو دو مجاہد آگے کو بڑھتے اور یزیدی لشکر کو چیرتے ہوئے آگے کو بڑھتے چلے جاتے جب حسینی قافلہ کے اکثر لوگ شہید ہوگئے تو حضرت امام حسین کے صاحبزادے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم اور جعفر طیار کے پوتے عدی میدان کارزار میں آئے اور یہ بھی شہید ہوگئے۔ ان کے بعد عبدالرحمان بن عقیل حضرت امام حسن کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آخر میں حضرت امام حسین خود میدان عمل میں آئے تو یزیدیوں نے چاروں طرف سے تیروں کی برسات شروع کردی۔ حضرت امام حسین زخموں کی کثرت کی وجہ سے نڈھال ہوچکے تھے کہ اُسی وقت ایک بدبخت نے ایسا تیر مارا کہ آپ کا چہرہ بھی لہولہان ہوگیا اور آپ کے جسم مبارک میں زیادہ طاقت باقی نہ رہی ساتھ ہی یزیدیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کی گردن پر کئی وار کر کے اور زخمی کر دیا اور آپ زخموں کی تاب نہ لاکر گر پڑے آپ کے گرنے کے بعد خولی نے سر اقدس جسم مبارک سے جدا کردیا اس طرح حق وباطل کی یہ جنگ اس دردناک سانحہ پر ختم ہوگئی۔ شہادت کے دوسرے دن شہداء کی لاشیں دفن کی گئیں، حضرت امام حسین کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس کوفہ روانہ کردیا گیا تھا اس لئے آپ کے جسم مبارک کو بغیر سر کے ہی دفن کیا گیا۔ (از۔۔تاریخ اسلام)

الغرض ان کے نانا جان کا لایا ہوا دین آج بھی باقی ہے اور صبح قیامت تک اس دین کے اسی طرح چرچے ہوتے رہیں گے اور جو بھی اس دین کی پناہ میں آجائیگا اللہ رب العزت اس کو بھی دارین کی عزتیں عطا فرمائے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمارے اندر بھی حسین جیسا جذبہ ایمانی پیدا فرمائے تاکہ ہمارا ظاہر وباطن ہر طرح کے لہو لعب وفسق وفجور سے پاک وصاف ہو، حسینی اخلاق وروح ہمارے اُپر غالب آجائے اور یزیدیت جیسے نفس کا خاتمہ ہوجائے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ دس محرم الحرام کو اہل بیت وشہدائے کربلا کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کریں، اور دارین کی سعادتوں کے حقدار بنیں۔ آمین

9759824259

اودھ نامہ

Urdu & Hindi Daily

avadhnama

www.avadhnama.com ONLINE CHANNEL

Rs.3/- Vol- 24 , Issue, 272 Sunday , July 06 2025 Pages -12

قیمت ۳/ روپیہ جلد نمبر (۲۴) شمارہ نمبر (۲۷۲) لکھنؤ بروز اتوار ۶ جولائی ۲۰۲۵ء مطابق ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۴۷ھ صفحات ۱۲

منبر کا بیان انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہئے

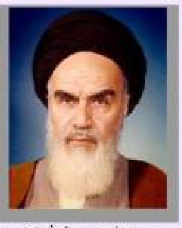

امام خمینی

واقعہ عاشورا کو صرف تاریخ میں نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ہر زمانے میں دیکھنا چاہئے، یزیدی شخصیت کے عناصر کہاں پائے جاتے ہیں پھر اس وقت اس کے مقابلے میں حسینی شخصیت کے عناصر کو میدان میں اتارنا چاہئے۔ لہٰذا معرفت اور شناخت نہایت ضروری ہے۔ انجمنوں، مجالس اور عزاداریوں کی ایک ذمہ داری اسی مسئلہ کی تعیین و تشخیص ہے۔

البتہ ان کی دوسری ذمہ داری قرآن، دین اور ان اسلامی معارف کے بیان کی ذمہ داری ہے جن پر امام حسین قربان ہوئے۔ امام حسین (ع) اور دیگر ائمہ نے اپنے آپ کو فدا کیا تاکہ یہ معارف باقی رہیں۔ ان مجالس میں یہ چیزیں بتائی جانی چاہئیں۔ آپ ان مجالس کا ان نشستوں سے موازنہ کیجئے جن میں ایک انسان دو گھنٹے تک بیٹھتا ہے لیکن آخر میں دیکھتا ہے کہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ہماری بعض مجالس بھی ایسی ہی ہیں۔ لہٰذا صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مجالس ہو بلکہ اس میں مجلس کی روح بھی ہونا چاہئے اب یہ کیسے حاصل ہوگی؟

(اس کا طریقہ یہ ہے کہ) سب سے پہلے آپ کے اہل منبر اور آپ کی مجالس کارساز ہوں۔ یعنی اس طرح کی مجالس ہوں کہ اگر ایک انسان تین سال تک آپ کی مجالس میں شرکت کرے تو تین سال بعد وہ ایک عام آدمی نہ ہو بلکہ وہ ایک آگاہ، آشنا اور معلومات رکھنے والا انسان ہو۔ منبر کو انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہئے۔ البتہ یہ بات مجھے منبروں پر بھی کہنی چاہئے اور کہتا بھی ہوں لیکن آپ لوگوں سے کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آپ خطیب کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خود نوحہ خوانی اور سینہ زنی وغیرہ میں بھی جدید حسینی مسائل، معرفت و آگاہی کی فضا ہونا چاہئے۔ شاید آپ میں بہت سے لوگوں کو یاد ہو اور ممکن ہے بہت سے افراد کو یاد نہ ہو کہ انقلاب ایران سے پہلے کا آخری محرم ایسا تھا کہ اس میں جو نوحے وغیرہ پڑھے جاتے تھے اور ان کی جو کیسٹیں نشر ہوتی تھیں وہ ایسے نوحے ہوتے تھے جن میں طاغوتی نظام کی مذمت پائی جاتی تھی۔ مجھے اس زمانے میں شہر بدر کر دیا گیا تھا شیراز اور رفسنجان سے میرے لئے یہ کیسٹیں لائی گئیں اور میں نے سنا۔ آپ ان کیسٹوں کو سنیں۔ عزاداری اس طرح کی ہونی چاہئے۔ ان دنوں مجالس میں بر سر اقتدار طاغوتی نظام کی بات ضرور ہوتی تھی۔ آج الحمد للہ طاغوتی نظام نہیں ہے۔ لیکن بہت سی دوسری باتیں اور موضوعات ہیں جنہیں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ تمام مسائل جن کی طرف آج اسلامی جمہوریہ توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے دین کے بنیادی مسائل ہیں اور سب کے سب حسینی بھی ہیں مثلاً عدالت، برائیوں سے مقابلہ، عالمی استکبار سے جنگ، بے انصافی سے مقابلہ، صالح افراد انتخاب اور ان کو محور بنانے کا مسئلہ وغیرہ یہ سب مسائل ہمارے ماتمی دستوں میں آنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب نوحے، مصائب، گریہ اور ماتم شیعوں سے سازگاری رکھتے ہیں؟ جی ہاں! اس لئے کہ یہ تمام چیزیں واقعہ کربلا کے عناصر ہیں۔ یہ ایک عجیب اور چند عناصر کی ترکیب ہے۔

غم حسین علیہ السلام

اصل میں غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

واقعہ کربلا کو ۱۴ سو سال گزر جانے کے بعد بھی غم حسین رضی اللہ عنہ میں کیوں رویا جاتا ہے؟ سادہ بات ہے کہ جس سے پیار ہو اس کو کوئی تھوڑی سی تکلیف درپیش ہو اور صدیاں بھی گزر جائیں پیار کرنے والے اس کا ذکر غم سے کرتے ہیں اگر یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو صرف سورہ مریم ہی کو پڑھ لیں۔

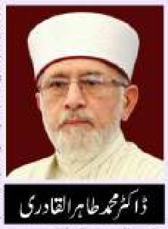

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(ڈاکٹر طاہر القادری کی یزیدیت شکن تقریر جس کے کچھ حصے مضمون کی شکل میں شائع کی جا رہی ہے۔)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنی اذیت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور فرمایا جو مجھے اذیت دیتا ہے وہ دراصل میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اذیت دینے کی سزا ان پر دنیا و آخرت میں لعنت مقرر کی ہے۔

مسلمانوں کی اذیت کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ انہوں نے گناہ ارتکاب کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا محض گناہ کبیرہ نہیں کہا بلکہ اس کی سزا کفر، ارتداد و ذلت آمیز عذاب اور دنیا و آخرت کی لعنت مقرر کی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

اور تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ابد تک ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (ترجمہ عرفان القرآن)

فرمان الٰہی سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے وصال سے قبل تھے۔ ان کی رحمتیں، اذیتیں، تعظیم و تکریم اور ادب و احترام ابدی ہے۔ اس لئے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلشن کا کوئی ایک پھول بھی توڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوارا نہیں بلکہ اذیت ہوگی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجر کے درخت کا ٹہنی توڑا تو انہیں اذیت ہوتی ہے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا گلا کٹنے پر کیا رسول کو اذیت نہیں ہوگی۔ سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کو رلایا جائے تو کیا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہیں ہوگی۔ ان کو اذیت دینا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور ان سے محبت کرنا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا ہے۔ ان کا ذکر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے۔ ان کا غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم ہے۔ میں پوری ایمانداری، توکل، تحقیق اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ غم حسین رضی اللہ عنہ غم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ سنت خدا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ امت، کربلا پر سوگوار کیوں ہے؟ ذکر حسین رضی اللہ عنہ پر آنکھیں کیوں نم ہوتی ہیں۔ واقعہ کربلا کو ۱۴ سو سال گزر جانے کے بعد بھی غم حسین رضی اللہ عنہ میں کیوں رویا جاتا ہے؟ سادہ بات ہے کہ جس سے پیار ہو اس کو کوئی تھوڑی سی تکلیف درپیش ہو اور صدیاں بھی گزر جائیں پیار کرنے والے اس کا ذکر غم سے کرتے ہیں اگر یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو صرف سورہ مریم ہی کو پڑھ لیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: فحملته فانتبذت به مکانا قصیا ○ فاجاءها المخاض الی جذع النخلة قالت یلیتنی مت قبل هذا وکنت نسیا منسیا (مریم ۲۲-۲۳)

پس مریم علیہا السلام نے اسے پیٹ میں لے لیا اور آبادی سے (الگ ہوکر) دور ایک مقام پر جا بیٹھیں ○ پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، وہ پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں: اے کاش! میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔

صدیوں پہلے جو واقعہ پیش آیا اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اس کا ذکر قرآن میں فرمایا۔ لوگ مثال دے کر کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کے دردِ زہ کا ذکر قرآن میں کیوں کیا؟ شدت تکلیف سے جناب مریم علیہا السلام کی زبان سے جو کلمات نکلے اس کا نقشہ ایک لمحہ میں کیوں کھینچ دیا؟ اگر اس پورے بیان کا مقصد اللہ کے یہاں صرف محبوبوں کا ذکر ہے تو ہم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبوں کے غم کا ذکر کیوں نہ کریں۔ انبیاء، اولیاء، صلحاء، صحابہ کرام علیہم الرحمۃ اور محبت کرنے والے غم حسین رضی اللہ عنہ میں روتے تھے۔

جریر بن عبداللہ البجلیؓ روایت کرتے ہیں آقا علیہ السلام نے فرمایا: میں تم پر سورہ **الھٰکم التکاثر** کی تلاوت کرتا ہوں۔ جس کی بھی آنکھ سے آنسو رونے گا وہ جنت میں جائے گا۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم رو پڑے اور کچھ نہ رو سکے۔ جنہیں رونا نہ آیا انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے بڑی کوشش کی کہ ہمیں بھی رونا آ جائے لیکن ہم رو نہیں سکے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: میں دوبارہ پڑھتا ہوں جو رو پڑے اس کے لئے جنت ہے اور جس کو کوشش کے باوجود رونا نہ آئے وہ رونے والی شکل ہی بنا لے یا رونے والوں میں شامل ہو جائے۔ (ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ۱۹۸:۳) سو غم کے ذکر میں رونا سنت ہو گئی۔ آقا علیہ السلام کو اپنے قلب و باطن میں رقت، شکستگی پیدا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رقت و بکا کی تعلیم دیتے تھے گویا اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے غم میں رونا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو اذیت دے یہ رب کو گوارا نہیں کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام اس کائنات میں تشریف لائے لیکن کبھی کسی اور نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی بات نہیں فرمائی، جیسے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ میں فرمائی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پر دعوت دی تو انہوں نے واپس جانے میں دیر کر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کہ تمہارا دیر تک بیٹھے رہنا میرے محبوب کو اذیت دیتا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ اگر یہ تکلیف بھی رب کو گوارا نہیں تو دس محرم الحرام یوم عاشورہ کی اذیتوں کا عالم کیا ہوگا۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے گھر کھانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے رہیں تو رب تعالیٰ فرماتا ہے: باتوں میں دل لگا کر نہ بیٹھا کرو اس سے میرے محبوب کو تکلیف ہوتی ہے اور بات یہاں ختم نہیں کی بلکہ مزید فرمایا: تم جانتے ہو کہ میرا محبوب بڑا حیادار ہے وہ اپنی زبان سے تمہیں کبھی نہیں کہے گا کہ اب چلے جاؤ۔ یہ بات کہنے میں میرے محبوب کو حیا آتی ہے۔ اس لئے ہر ہر لحظہ ہر قسم کی اذیتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میں محافظ ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تو آقا کے دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہے کہ گر یوم عاشورا کے روز اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی اذیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت تھی یا نہ تھی۔ ان سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی یا نہ تھی۔ ان کی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی تھی یا نہ تھی اور انہیں تکلیف دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا تھا یا نہ تھا۔

☆☆☆

Death with Dignity is better than a life of humiliation

Imam Husain[a.s.]

اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com

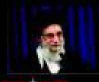

Imam Husain's

Campaign is characterized by three elements

LOGIC AND WISDOM, VALOR AND HONOR, AND A NOBLE SENTIMENT.

Ayatullah Khamenei

اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com

मैंने कर्बला की दर्दअंगेज़ घटना का अध्ययन किया है और इससे यह विश्वास हो गया है कि अगर भारत को आज़ादी मिल सकती है तो हमें हुसैनी सिद्धांतो पर चलना होगा।

महात्मा गाँधी

अवधनामा اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com

यह इमाम हुसैन के बलिदान का ही परिणाम है कि आज इस्लाम बाक़ी है। अन्यथा इस दुनिया में इस्लाम का नाम लेने वाला कोई नहीं होता।

स्वामी शंकराचार्य

अवधनामा اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com

कर्बला की जंग हमेशा याद की जाती रहेगी, यज़ीद जीतकर भी हारा और क़त्ल होकर भी करोड़ों दिलों पर आज भी हुसैन की हुकूमत है।

मुंशी प्रेमचन्द

अवधनामा اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com

मजलिसें करना मक़सद नहीं बल्कि मजलिसों का एक मक़सद होना चाहिये।

अज़ादारी एक मीडिया है और सबसे ज़्यादा असरदार मीडिया है।

वक़ार रिज़वी

अवधनामा اودھ نامہ avadhnama www.avadhnama.com